اسرار الاحکام
بہ
انوار القرآن
مؤلفہ
شیخ التفسیر حکیم الامت مولانا المفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی بدایونی
ناشر
مکتبہ اسلامیہ
غزنی سٹریٹ، میاں مارکیٹ (بیسمنٹ)، 38- اردو بازار، لاہور

الحمد للہ المنعام کہ رسالہ نافعہ ہر خاص و عام

مسمّٰی بہ

اسرار الاحکام

یعنی

انوار القرآن

جس میں عقائد اسلامیہ ، مسائل شریعت ، احکام طریقت کی عقلی حکمتیں
نہایت خوبی سے بیان کی گئی ہیں

مصنفہ

مولانا الحاج المفتی احمد یار خاں صاحب اشرفی بدایونی مد ظلہم

ملنے کا پتہ

مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور

قیمت/۱۵ روپے

مختصر فہرست مضامین انوار القرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی نور عقول المسلمین بانوار القرآن وزین قلوب العارفین باسرار العرفان ونجاھم عن غیابت الشکوک والاوھام ثم افضل الصلوٰۃ واکمل السلام علیٰ سید الانس والجان مالک الکون عالم ما یکون وما کان سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ اٰلہ الکرام واصحابہ العظام

جاننا چاہیے کہ ہمارے مادّی جسم کو نورِ نظر کی ضرورت ہے۔ اندھا انسان گویا مجبورِ محض ہے پھر نورِ نظر نور ہونے کے باوجود ایک دوسری خارجی روشنی کا حاجتمند ہے کہ ہماری آنکھ اندھیرے میں کام نہیں کر سکتی۔ غرضیکہ اندرونی اور بیرونی دو نور مل کر ہماری حاجت پوری کرتے ہیں اور اس دنیا کی چیزیں دکھاتے ہیں۔ اسی طرح ہماری روح و قلب کو نورِ عقل کی ضرورت ہے۔ دیوانہ و پاگل آدمی اپنی کسی قوت سے صحیح کام نہیں لے سکتا۔ پھر نورِ عقل اگرچہ نور ہے۔ لیکن اس کے لیے نورِ نبوت ازبس ضروری ہے بے نورِ نبوت انسانی عقل باعثِ کفر و طغیان ہے۔ انسان عقل سے مشین۔ انجن۔ بجلی بنا سکتا ہے ہوا و پانی پر راج اور قبضہ کر سکتا ہے۔ مگر ایمان و عرفان تیار نہیں کر سکتا۔ یوں سمجھو کہ عقل سے آسمان و زمین کی پیمائش ہو سکتی ہے مگر اپنی پیمائش نہیں ہو سکتی عقل سے اس مادی دنیا کی چیزیں پہچان سکتے ہیں مگر اپنے کو نہیں جان سکتے۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اگر ایمان کے لیے محض عقل انسانی کافی ہوتی تو عقلاءِ یونان میں کوئی بے دین نہ ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چند خوانی حکمتِ یونانیاں حکمت ایمانیاں راہم بخواں

حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے وطن کے گلی کوچوں سے خوب واقف ہوتا ہے۔ اجنبی جگہ کے لیے ایسے رہبر کا محتاج ہے جو یا تو وہاں کا باشندہ ہو یا وہاں آتا جاتا رہتا ہو ہماری عقل اس سفلی دنیا کی چیز ہے۔ اُسے اسی عالم کی خبر ہے۔ یہاں کی چیزوں کو جانتی پہچانتی ہے۔ اُسے عالم بالا اور دوسری دنیا سے کیا تعلق۔ وہاں سے وہ ہی باخبر ہوگا۔ جو اُس عالم میں رہ کر آیا ہو یا وہاں آتا جاتا رہتا ہو۔ اللہ کے جو بندے ان دونوں جہانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہی کا نام

اسلام میں انبیاء واولیائ ہے۔ عَلیٰ نَبِیِّنَا وعلیہم الصلوٰۃ والسّلام۔

لہٰذا ضروری ہے کہ عاقل اس دنیا کی باتوں میں اپنی عقل پر اعتماد نہ کرے۔ بلکہ بارگاہ انبیاء و اولیاء میں اپنی ناقص و ناکارہ عقل بالائے طاق رکھ کر طفل مکتب بن کر حاضر ہو تاکہ وہاں کا فیض پا سکے وہی ڈول کوئیں سے پانی لاتا ہے جو خالی ہو کر جاتا ہے۔ عقل قرباں کن بہ پیش مصطفےٰ۔ یہ طریقہ نہایت ہی بہتر تھا۔ اس پر صحابہ کرام اور بزرگانِ دین عامل رہے۔ جس سے انہوں نے بارگاہِ مصطفوی سے جو فیوض و برکات حاصل کیے۔ وہ دنیا کو معلوم ہے۔ لیکن موجودہ زمانہ کے مسلمان اپنی عقل و دانش پر ایسے نازاں ہوئے کہ ہر دینی حکم میں عقل کو دخل دینے لگے۔ کہ جو عقل میں آجائے وہ ٹھیک ورنہ اس میں تامل ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اگر کسی دینی حکم کی حکمت عقل سے سمجھ میں آجاتی تو خدا کا شکر کرتے اگر سمجھ میں نہ آتی تو بلا چون وچرا قبول کرتے۔ مگر ایسا نہ کیا اس لیے مجھے خیال پیدا ہوا کہ بقدر وسعت احکام شرعیہ کی عقلی حکمتیں بیان کروں تاکہ مخلصین کو سرور ہو اور مخالف قبول کرنے پر مجبور ہو اللہ تعالیٰ حق بولنے حق ماننے کی توفیق دے اور میری اس ناچیز خدمت کو قبول فرما کر اسے صدقہ جاریہ اور میرے گناہوں کا کفارہ بنائے۔ اس رسالہ کا نام اسرار الاحکام بانوار القرآن رکھتا ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ؛

احمد یار خان

۲۱۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۸ھ

۲۱۔ مارچ ۱۹۴۹ء

یوم دوشنبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اسلام اور کلمۂ طیبہ

س ۔ دین محمدی کو اسلام کیوں کہتے ہیں ؟

ج ۔ اس لیے کہ اسلام سلم سے بنا ہے ۔ جس کے معنی ہیں صلح یا اطاعت
فَاِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا ۔ لہٰذا اسلام کے معنی ہوئے رب اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا متقی مسلمان اپنے عقیدہ اور عمل سے رب کی اطاعت کرتا ہے لہٰذا مسلم یعنی مطیع ہے ۔ گنہگار مسلمان اگرچہ بدعملی میں گرفتار ہے ۔ مگر رب کا باغی نہیں ۔ اپنے کو مجرم سمجھتا ہے لہٰذا وہ بھی مسلم ہے ۔

س ۔ کیا گذشتہ پیغمبروں کے دین کا نام بھی اسلام تھا ؟

ج ۔ نہیں ۔ بعض انبیاء کرام کو لغوی معنی سے مسلم اور ان کے اعمال کو اسلام کہا گیا ہے ۔ جیسے فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ یا حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۔ مگر اسلام نام صرف اسی دین محمدی کا ہوا رب فرماتا ہے ۔ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ یا وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ جیسے قرآن نے لغوی معنی سے بعض بندوں کو رب یا مصطفٰے فرمایا ۔ اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ ۔ مگر اصطلاح میں رب خدا کا مصطفٰے حضور کا نام ہے

س ۔ عبادات کے لیے ایمان کی کیا ضرورت ہے ۔ جو بھی نیکی کرے اُسے ثواب ملنا چاہیے ۔ جو بھی روٹی کھاتا ہے اس کو بھوک سے نجات ملتی ہے ۔

ج ۔ اس لیے کہ نیک اعمال روحانی غذائیں ہیں اور کفر زہر ۔ اگر بریانی میں زہر ملا دو ۔ تو وہ نقصان ہی دے گی ۔ ایسے ہی کفر کے ساتھ عبادات زہر آلود غذا ہے یا اعمال گویا تخم ہیں اور ثواب اُن کا پھل ۔ تخم جب ہی پھل دے گا ۔ جب عمدہ زمین میں بویا جاوے اور خود بے عیب ہو ۔ کافر کے عمل میں کفر کا عیب موجود ہے ۔ اور اس کا دل بنجر زمین ہے پھر ثواب کیسے

پائے۔ پہلے سلطان کی وفادار رعایا بنو۔ پھر قوانین پر عمل کرو۔

س۔ گذشتہ پیغمبروں کے دین پر اب عمل کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں وہ بھی تو خدا کے دین ہیں۔

ج۔ نہیں۔ اب نجات صرف اسلام ہی میں ہے۔ رب فرماتا ہے۔ وَمَنْ یَبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ ۝ وہ دین اپنے وقت میں اس زمانہ کے لیے رحمت تھے۔ لالٹین اور گیس رات میں روشنی دیں گے دن میں نہیں۔ آفتاب نے ان سب کو بیکار کر دیا۔ لڑکپن میں ماں کا دودھ اور گھٹی بچّہ کو زندہ رکھتی ہے۔ بڑا ہو کر نہیں۔ اگرچہ یہ تمام چیزیں رب کی بنائی ہوئی ہیں مگر ہر ایک کے استعمال کا ایک وقت ہے۔ ایسے ہی ان دینوں کے استعمال کا وقت اب نکل چکا حکیم مریض کے نسخوں میں مریض کی حالت کے مطابق تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔ اگر ان دینوں میں اب بھی نجات ہوتی تو یہود و نصاریٰ کو اسلام اور قرآن ماننے کی دعوت کیوں دی جاتی؟

س۔ تو چاہیئے کہ دین اسلام بھی منسوخ ہو جائے۔ اور اب بھی برابر نبی آتے رہیں؟

ج۔ نہیں۔ اس لیے کہ غذاؤں اور دواؤں میں تبدیلیاں اس وقت تک ہوتی ہیں۔ جب تک بچہ اور مریض اپنے اصلی حال اور کمال پر نہیں پہنچ جاتے۔ دودھ۔ گھی وغیرہ روٹی پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اسلام دین مکمل ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ کا اعلان ہو چکا۔ نبوّت کا نہ غروب ہونے والا آفتاب طلوع ہو چکا۔ نیز ناسمجھ بچّہ کو پہلے معمولی قاعدے اور چھوٹی کتب دی جاتی ہیں۔ وہ پڑھتا بھی جاتا ہے اور پھاڑتا بھی جاتا ہے۔ کچھ سمجھ آنے پر اگرچہ پھاڑتا نہیں مگر اسے لکھ لکھ کر سیاہ کر دیتا ہے۔ میلا کچیلا کر دیتا ہے۔ پوری عقل آنے پر کتاب کو جان سے زیادہ عزیز اور محفوظ رکھتا ہے۔ مخلوق کو پہلے آدم و نوح اور ابراہیم علیہم السلام کے صحیفے ملے جو ضائع کر دیئے گئے۔ پھر کچھ ہوش سنبھالنے پر توریت و انجیل و زبور کو بالکل برباد تو نہ کیا مگر اس میں لکھ لکھ کر تحریف کر دی۔ اب مکمل ہوش سنبھالنے پر قرآن کو جان سے زیادہ محفوظ رکھا۔

س۔ کلمہ کا نام تو ہے کلمۂ توحید مگر اس میں ذکر ہے اللہ تعالیٰ کا اور حضور علیہ السلام کا چاہیے

تھا کہ صرف خدا کا ذکر ہوتا کہ نام مسمی کے مطابق ہو؟

ج ۔ کلمہ طیبہ کے پہلے جز میں توحید کا ذکر ہے دوسرے میں توحید کی نوعیت کا کیونکہ توحید کی دو قسمیں ہیں۔ ایک پیغمبر کی بتائی ہوئی دوسرے پیغمبر سے منہ پھیر کر محض عقل سے مانی ہوئی پہلی توحید ربانی ہے اور مقبول۔ دوسری توحید شیطانی ہے اور مردود۔ گویا کلمہ پڑھنے والا توحید کا اقرار کرتے ہی اعلان کرتا ہے کہ میری وہ توحید ہے جو پیغمبر نے سکھائی۔ جس کا نام اسلامی اور ربانی توحید ہے۔

س ۔ مخلوق کو نبوت اور نبی کی کیا ضرورت ہے، کیا رب بغیر نبی کے فیض نہیں دے سکتا؟

ج ۔ جب کمزور چیز کسی قوی سے فیض لینا چاہے تو درمیان میں واسطہ ضروری ہے۔ ورنہ کمزور فنا ہو جائے گا۔ اگر روٹی کو آگ سے گرم کرنا ہے تو درمیان میں توا ضروری ہے۔ اگر سورج کو دیکھنا ہے تو ٹھنڈے شیشہ کا واسطہ لازم ہے۔ خالق قوی و قادر ہے اور مخلوق ضعیف لہٰذا درمیان میں کسی ایسے برزخ کبریٰ کا ہونا لازم ہے جو رب سے فیض لینے اور مخلوق تک پہنچانے کی طاقت رکھتا۔ اس برزخ کبریٰ کا نام نبی ہے۔

س ۔ پھر تو رب مجبور ہوا کہ اپنے بندوں کو بغیر پیغمبر کے احکام نہ پہنچا سکا۔

ج ۔ نہیں بلکہ ہم مجبور ہوئے کہ رب سے بلا واسطہ فیض حاصل نہ کر سکے۔ روٹی کمزور ہے نہ کہ آگ ہماری آنکھ کمزور ہے نہ کہ آفتاب۔ دنیا میں رب کی رحمت و قہر کے خزانے مقرر ہیں جہاں سے یہ رحمت و قہر تقسیم ہوتا ہے سانپ دیگر موذی چیزیں قہر الٰہی کا مظہر ہیں سمندر کنوئیں اور دیگر فیض رساں چیزیں اسکی رحمت کے خزانہ ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء کے دل رب کے اسرار و احکام و حکمتوں کے خزانہ ہیں۔ جیسے سونے کی کان سے سونا ہی نکلے گا ایسے ہی پیغمبر کے ہاں سے اسرار الٰہی ہی ظاہر ہوتے ہیں۔

س ۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ نبی ہمیشہ انسان اور مرد اور شہزادے ہی ہوئے معمولی قوموں فرشتوں عورتوں کو نبوت کیوں نہ ملی؟

ج ۔ اعلیٰ اور نازک چیز نہایت مضبوط اور عمدہ برتن میں رکھی جاتی ہے۔ ہر برتن میں دہی نہیں جمایا جاتا اور کمزور پٹی میں موتی نہیں رکھے جاتے۔ نبوت نہایت اعلیٰ اور عمدہ نعمت ہے اس کے لیے فرشتہ اور دیگر مخلوق مناسب نہیں، کیونکہ وہ تبلیغ نہیں کر سکتے۔ تبلیغ وہ

کرے جو انسان کے سامنے آ کر ان کی سمجھ سکے اپنی سمجھا سکے۔ اُن کے دُکھ درد سے واقف ہو عورت کو پردہ لازم ہے اس کا باہر پھرنا فساد کا باعث ہے۔ نیز حیض و نفاس زچگی میں وہ کام کاج سے عاجز ہے۔ پھر وہ تبلیغ کیسے کرے۔ ذلیل آدمی کی شرفا میں کوئی عزت نہیں اس کی بات پر کوئی دھیان نہیں دیتا مقصد تبلیغ اس سے بھی پورا نہیں ہو سکتا لہٰذا نبی شریف و اعلیٰ مرد ہی ہو سکتے ہیں۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوحِيٓ اِلَيْهِمْ۔ نیز ارشادِ الٰہی ہے۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔

س۔ کلمہ پڑھتے ہی کفر کے سب گناہ کیوں معاف ہو جاتے ہیں؟

ج۔ اس لیے کہ اسلام مثلِ سمندر کے ہے۔ جس میں کیسا ہی پلید آدمی غسل کرے پاک ہو جاتا ہے۔ سمندر ظاہر گندگی کو دُور کرتا ہے۔ اخلاص والا کلمہ باطنی نجاست سے پاک کرتا ہے۔

نماز

س۔ نماز ساری عبادات میں افضل کیوں ہے۔ اس میں تو مشقت بھی زیادہ نہیں ہے۔ حج و روزہ میں محنت زیادہ ہے۔ وہ ہی سب سے افضل ہونے چاہئیں؟

ج۔ چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ نماز کی حالت میں کوئی دنیاوی کام نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس میں سارے اعضا پر مکمل کنٹرول ہے۔ دوسری عبادات میں دنیاوی کام بھی ہو سکتے ہیں حج میں تجارت روزے میں دنیاوی کاروبار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس میں اخلاص زیادہ ہے اسی لیے ارشاد ہوا۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ دوسرے یہ کہ نماز سارے ظاہری باطنی اعضا سے ادا ہوتی ہے۔ روزہ صرف منہ اور پیٹ سے لہٰذا یہ ہر عضو کی عبادت ہے۔ تیسرے یہ کہ نماز سارے فرشتوں کی عبادات کا مجموعہ ہے کہ کوئی فرشتہ رکوع میں ہے۔ کوئی قیام میں۔ کوئی سجدہ میں۔ چوتھے یہ کہ نماز ساری مخلوق الٰہی کی عبادات کا مجموعہ ہے کہ درخت قیام میں ہیں۔ چوپائے جانور رکوع میں کیڑے مکوڑے سجدے میں۔ مینڈک وغیرہ قعدہ میں۔ لہٰذا نماز سارے فرشتوں اور ساری مخلوق کی عبادات

کی جامع ہے. پانچویں یہ کہ نماز سب پر فرض ہے. زکوٰۃ و حج غریب پر نہیں روزہ مسافر پہ نہیں لہٰذا یہ عبادت عام ہے. چھٹے یہ کہ نماز روزانہ ادا کی جاتی ہے. روزہ زکوٰۃ سال میں ایک بار اور حج عمر میں ایک دفعہ. ساتویں یہ کہ نماز آدمی کی زندگی سنبھال دیتی ہے نمازی کو اپنا بدن کپڑا ہر وقت پاک رکھنا پڑتا ہے. اور دن رات ہر وقت نماز کی فکر رکھنی پڑتی ہے. لہٰذا نمازی ہر وقت عبادت میں رہتا ہے. فکر عبادت بھی عبادت ہے.

س. نماز پانچ وقت کی کیوں فرض ہوئی. کم و بیش کیوں نہ ہوئی؟

ج - اس لیے کہ معراج میں اولاً پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی تھی. جن میں ۴۵ وقت کی معافی ہو گئی. رب کے ہاں نیکی کا بدلہ دس گنا ہوتا ہے. خود فرماتا ہے. مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا - لہٰذا یہ نمازیں پڑھنے میں پانچ ہیں. اور ثواب میں پچاس.

س - پانچ نمازوں کے یہ ہی اوقات کیوں مقرر کیے گئے؟

ج - اس لیے کہ مومن کی ہر حالت رب کے ذکر سے شروع ہونی چاہیے. جس کی ابتدا اچھی ہو امید ہے کہ انتہا بھی اچھی ہو گی. اسی لیے بچہ کے پیدا ہوتے ہی کان میں اذان کہتے ہیں کہ یہ زندگی کی ابتدا ہے. چونکہ ۲۴ گھنٹہ میں انسان کے پانچ حال ہوتے ہیں. صبح کے وقت دن کی ابتدا ہے گویا نئی زندگی ملی ہے. پہلے نماز پڑھے ظہر کے وقت کھانے اور آرام سے فراغت پائی. دن کے دوسرے حصہ کی ابتدا ہوئی نماز پڑھ لے عصر کے وقت ملازمین کاروبار سے فارغ ہو کر سیر و تفریح کو چلے. تجارت کے فروغ کا وقت آیا نماز پڑھ لے. مغرب کے وقت رات کی ابتدا ہے. نماز پڑھ لے. سوتے وقت جاگنے کی انتہا ہے. نیند جو ایک طرح کی موت ہے. شروع ہو رہی ہے نماز پڑھ کر سوئے شاید یہ آخری نیند ہو کہ اس کے بعد قیامت ہی کو جاگے.

س. نمازوں کی رکعتیں مختلف کیوں ہیں یکساں کیوں نہیں اگر مغرب میں چار رکعت پڑھیں تو کیوں نہیں ہوتی؟

ج - لائق طبیب کے نسخہ میں دواؤں کے اوزان مختلف ہوتے ہیں. نمازیں بھی مختلف دوائیں ہیں. جس قفل میں تین دانتوں والی چابی چاہیے وہ چار دانتوں والی چابی سے نہیں کھل

سکتا۔ یہ نمازیں مختلف پیغمبروں کی یادگاریں ہیں۔آدم علیہ السلام نے زمین پر آکر رات دیکھی گھبرا گئے۔ صبح نمودار ہوئی تو دو رکعت شکرانہ ادا کیں یہ فجر ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام نے ذبح فرزند کے عوض دُنبہ پایا۔ فرزند کی جان بچنے اور قربانی قبول ہونے پر چار رکعت شکرانہ ادا کیں یہ ظہر ہوئی۔ عزیر علیہ السلام نے سو برس بعد زندہ ہو کر ۴ رکعت شکرانہ پڑھیں۔ یہ عصر ہوئی۔ کیونکہ آپ اسی وقت زندہ ہوئے تھے۔ داؤد علیہ السلام نے توبہ قبول ہونے کے شکریہ میں غروب آفتاب کے بعد چار رکعت کی نیت باندھی۔ مگر تین رکعت پر تھک گئے اور سلام پھیر دیا یہ مغرب ہوئی۔ ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عشا ادا کی (طحاوی شریف)

س۔ سفر میں قصر یعنی چار فرض کو دو کیوں پڑھتے ہیں تین رکعت میں قصر کیوں نہیں ؟

ج ۔ اس لیے کہ سفر معراج میں دو دو رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں۔ بعض نمازوں میں بعد میں زیادتی کی گئی (حدیث) جب تم بھی سفر میں جاؤ تو سفر معراج کی یادگار قائم کر لو اسی لیے پچھلی دو رکعتوں میں قرأت فرض نہیں۔ اور امام ان میں آہستہ قرآن پڑھتا ہے۔ تاکہ یہ یاد تازہ رہے کہ یہ رکعتیں پہلے فرض ہوئیں اور یہ بعد میں۔ چونکہ تین کا آدھا صحیح نہیں بن سکتا۔ اس لیے اس میں قصر بھی نہیں۔

س۔ امام ظہر و عصر میں آہستہ قرأت کیوں کرتا ہے، اور باقی میں زور سے کیوں ؟

ج ۔ اس لیے کہ شروع زمانۂ اسلام میں کفار کا غلبہ تھا۔ وہ قرآن شریف سن کر رب تعالیٰ اور جبریل اور حضور علیہما السلام کی شان میں بکواس بکتے تھے۔ ان ہی دو وقتوں میں وہ آوارہ گھومتے رہتے تھے۔ مغرب میں کھانے میں مشغول ہوتے تھے۔ عشا میں سو جاتے تھے فجر میں جاگتے نہ تھے۔ اس لیے ان دو نمازوں میں آہستہ قرأت کا حکم ہوا۔ رب نے فرمایا وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۔ نہ اتنی آواز سے قرآن پڑھو جو آواز باہر جاوے نہ اتنی آہستہ کہ خود بھی نہ سُن سکو۔ اب اگرچہ وہ حالت نہ رہی مگر حکم وہ ہی رہا تاکہ مسلمان اس مغلوبیت کو یاد کر کے اب غلبۂ اسلام پر خدا کا شکر کریں۔

س۔ نماز کے ارکان قیام و قعود میں کیا حکمتیں ہیں ؟

ج ۔ نماز میں چار چیزیں پڑھی جاتی ہیں اور چار کام کیے جاتے ہیں۔ قرآن۔ تسبیحیں۔ درود شریف اور دُعائیں تو پڑھی جاتی ہیں۔ اور قیام۔ رکوع۔ سجدہ قعود کیے جاتے ہیں۔ ان چاروں کاموں میں دو حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انسان میں چار وصف ہیں۔ وہ جماد بھی ہے نامی بھی۔ حیوان بھی ہے انسان بھی۔ جماد کی عبادت میں بیٹھا رہنا ہے۔ حیوان کی اصل عبادت رکوع میں رہنا۔ نباتات کی بندگی سجدہ انسان کی بندگی قیام جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے۔ لہٰذا نماز میں ان چاروں عبادات کو جمع کر دیا گیا۔ نیز یہ چاروں وصف انسان کے لیے ربّ سے دوری کا باعث بنے۔ گویا انسان چار درجے نیچے اُترا اس کی ترقی کے لیے چار کام مقرر کیے گئے۔

دوسرے یہ کہ انسان میں آگ۔ پانی۔ ہوا۔ مٹی جمع ہے۔ آگ کی خاصیت تکبّر و غرور ہے اسی لیے وہ اُوپر کو بھاگتی ہے۔ دیکھو شیطان آدم علیہ السلام کے آگے نہ جھکا۔ پانی کا کام ہے۔ پھیلنا۔ خاک کی تاثیر جمود اور بےحسی ہے۔ ہوا کی تاثیر شہوت ہے۔ اسی لیے مقوی باہ دوائیاں باد انگیز ہوتی ہیں گویا انسان ان چار مفردوں کا معجون مرکّب ہے اور مفردات کا اثر معجون میں ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان میں یہ چاروں عیوب موجود تھے۔ ان کے دفعیہ کے لیے یہ چار ارکان نماز میں قائم کیے گئے اور ان ارکان کو اللہ کے مختلف ذکروں سے پُر کیا گیا تاکہ ان عیوب سے پاکی حاصل ہو جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (روح البیان سورہ مائدہ آیۃ وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ)

س ۔ نماز کے لیے وضو کیوں ضروری ہے ؟

ج ۔ اس لیے کہ نماز دِل کو پاک کرتی ہے۔ چاہیے کہ پہلے جسم پاک کیا جائے۔ کیونکہ ظاہری پاکی باطنی پاکی کا باعث ہوتی ہے۔ دِق کی بیماری والے کا کپڑا۔ مکان۔ بدن صاف رکھواتے ہیں۔ تاکہ تندرستی حاصل ہو۔

س ۔ وضو میں چار عضو دھونا کیوں فرض ہیں۔ منہ۔ ہاتھ۔ سر کا مسح۔ پاؤں ؟

ج ۔ دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ وضو کے پانی سے خطائیں اور گناہ جھڑتے ہیں۔ آدم علیہ السلام سے پہلی جو لغزش صادر ہوئی یعنی گندم کھانا اس میں ان ہی چار اعضاء نے کام کیا تھا۔ کہ دماغ

میں کھانے کا خیال آیا. پاؤں اُدھر چلے. ہاتھ سے گندم پکڑا منہ شریف نے کھایا. لہٰذا حکم ہوا کہ نماز کے لیے ان ہی اعضا پر پانی پہنچاؤ دوم یہ کہ اب بھی اکثر گناہ میں ان ہی عضوؤں کا زیادہ حصہ ہوتا ہے. ہاتھ. پاؤں. آنکھ. ناک. کان. دل. دماغ سے ہی گناہ کیے جاتے ہیں. دل اور دماغ کا تعلق بادشاہ اور وزیر کا سا ہے. کہ دل پر رنج آیا تو فوراً دماغ سے پانی آنسو کی شکل میں ٹپکا اور جہاں دماغ میں بُرا خیال پیدا ہوا کہ دل مغموم ہو گیا. لہٰذا دماغ پر مسح کر دیا گیا. دل کی جگہ نہ دھوئی گئی. کہ دماغ کے ذریعہ دل پاک ہو گا.

س. پیشاب. پاخانہ. ریح. قے. خون وغیرہ سے وضو کیوں ٹوٹتا ہے؟

ج. وضو گندم کھانے سے لازم ہوا اور یہ چیزیں گندم ہی سے بنتی ہیں. لہٰذا حکم ہوا کہ جب جسم سے گندم کا اثر ظاہر ہو. وضو کرلو. نیند بھی اسی لیے وضو توڑتی ہے کہ وہاں ریح نکلنے کا احتمال ہے. نبی کی نیند چونکہ غفلت نہیں پیدا کرتی. لہٰذا ان کا وضو بھی نہیں توڑتی.

س. تو چاہیے کہ منی نکلنے سے بھی وضو ہی ٹوٹے. کیونکہ منی بھی گندم ہی سے بنتی ہے. اس سے غسل کیوں ٹوٹتا ہے.

ج. منی کا تعلق سارے جسم سے ہے کہ ہر عضو کے خون سے بنتی ہے اور اس کے نکلتے وقت سارے جسم کو لذت آتی ہے لہٰذا سارے جسم پر ہی اثر ہونا چاہیے.

س. پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کیوں کرایا جاتا ہے. اس میں کیا مصلحت ہے؟

ج. سارے عناصر یعنی آگ. پانی مٹی. ہوا میں دلوں کی شفا اور جسم کی پاکی ہے. اسی لیے. بہت چیزیں آگ سے پاک ہو جاتی ہیں جیسے مٹی تانبہ کے ناپاک برتن نجس زمین ہوا سے خشک ہو کر پاک ہو جاتی ہے. بہت صورتوں میں مٹی سے رگڑنا پاکی بخشتا ہے. اور پانی تو طہارت کا ذریعہ ہے ہی. اسی طرح پانی پر دم کر کے بیماروں کو پلایا جاتا ہے. حضور علیہ السلام نے ایک بیمار پر مٹی لعاب دہن شریف میں تر کر کے استعمال فرمائی. قرآن پڑھ کر دم کرتے ہیں. دم کی ہوا سے خدا شفا دیتا ہے. غرضیکہ ان عناصر میں طہارت کا اثر ہے. لہٰذا طہارت حکمی یعنی وضو و غسل کے لیے پانی کو تو اصل مانا گیا ہے اور بوقتِ ضرورت مٹی کو نائب کیونکہ مٹی بھی ایک عنصر ہے.

س - نماز کی اطلاع کے لیے اذان کیوں رکھی گئی، ہندوؤں عیسائیوں کی طرح سنکھ یا ناقوس کیوں نہ بجایا گیا؟

ج - اذان اطلاع نماز کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس کے مثل نہ سنکھ ہو سکتا ہے نہ ناقوس۔ چند وجوہ سے اولاً تو یہ کہ سنکھ میں مُردہ جانور کی ہڈی کا استعمال ہے۔ ناقوس میں لوہے۔ پیتل وغیرہ دھات کا استعمال۔ مگر اذان میں اشرف المخلوق یعنی انسان کا استعمال ہے۔ وہ بھی حلق کی آواز کا نہ کہ ہاتھ کی تالی کا نہ سیٹی وغیرہ کا۔ کیونکہ حلق اندرونی اور بیرونی اعضا کے درمیان واسطہ ہے کہ باہر سے جو ہوا پانی غذا اندر جائے وہ حلق کے راستہ اور جو دل کی بات باہر آئے وہ حلق کے ذریعہ۔

دوسرے یہ کہ سنکھ وغیرہ میں محض بے ڈھنگی آواز ہے۔ جس کا مطلب کچھ نہیں۔ جیسے ریل کی سیٹی کی محض اطلاع ہے۔ مگر اذان میں محض آواز نہیں۔ بلکہ اللہ کی کبریائی حضور کی نبوّت کا اعلان ہے۔ جو اصل ایمان اور مغز عبادت ہے۔ پھر نماز کا بلاوا ہے۔ پھر نماز کے فوائد کا ذکر جس سے دل میں نماز کا شوق پیدا ہو اگر کوئی شخص خوش گلو اذان دے تو سن کر وجد آجاتا ہے غرضیکہ اذان میں بلاوے کے ساتھ تبلیغ بھی ہے۔

س - نماز جماعت سے کیوں پڑھی جاتی ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے۔ مسجد میں حاضری کیوں دی جاتی ہے؟

ج - جماعت میں دینی و دنیوی بہت سی حکمتیں ہیں۔ دنیاوی حکمتیں تو یہ ہیں کہ جماعت کی برکت سے قوم میں تنظیم رہتی ہے کہ مسلمان اپنے ہر کام کے لیے امام کی طرح صدر اور امیر چن لیا کریں۔ پھر امیر کی ایسی اطاعت کریں۔ جیسے مقتدی امام کی جماعت سے آپس کا اتفاق بڑھتا ہے۔ روزانہ پانچ بار کی ملاقات اور دعا سلام دل کی عداوت دور کرتا ہے۔ قوم میں پابندی اوقات کی عادت پڑتی ہے۔ کہ سب لوگ وقت جماعت پر دوڑتے آتے ہیں۔ جماعت سے متکبرین کا غرور ٹوٹتا ہے کہ یہاں بادشاہ کو فقیر کے ساتھ کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ نیز مسجد ہماری کمیٹی گھر یا دارالشوریٰ ہے۔ جہاں جمع ہو کر مسلمان اہم مشورہ کر سکتے ہیں۔ گویا مسجد میں روزانہ محلہ کی پانچ کانفرنسیں ہوتی ہیں۔ مسجد نبوی سے ہی اسلامی فوج نکل کر جہاد وغیرہ کرتی تھی۔

دینی فائدے یہ ہیں کہ اگر جماعت میں ایک کی نماز قبول ہوگئی تو سب کی قبول ہے۔ جماعت میں گویا مسلمانوں کا وفد بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ حاکم کے یہاں تنہا کے مقابل وفد کا زیادہ احترام ہوتا ہے۔ جماعت میں انسان رب کی کچہری میں وکیل یعنی امام کے ذریعہ عرض معروض کراتا ہے۔ جس سے بات کا وزن بڑھ جاتا ہے۔ مسجد کی طرف آنے جانے میں ہر قدم پر دس نیکیاں ملتی ہیں، جماعت سے آدمی کو دینی پیشوا علماء صوفیہ کا ادب سکھایا جاتا ہے۔

س ۔ جمعہ اور عید میں جماعت فرض کیوں ہے۔ پنجگانہ نمازوں میں کیوں نہیں؟

ج ۔ پنجگانہ جماعت محلہ بھر کی کانفرنس ہے اور جمعہ کی جماعت سارے شہر یا اکثر حصہ کی، پنجگانہ جماعت فرض کرنے میں مسلمانوں پر دشواری ہو جاتی ہے۔ کہ جنگل کھیت وغیرہ سے بھاگ کر شہر آنا پڑتا اس لیے اس جماعت کو سنت قرار دیا گیا۔ اور چونکہ جمعہ ہفتہ میں ایک بار اور عید سال میں دو بار آتے ہیں۔ ان کے لیے آنا اتنا گراں نہ ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کا اجتماع بھی ہو جایا کرے اور کار وبار بھی بند نہ ہوا کریں۔

س ۔ اسلام میں جمعہ کو عید المومنین کیوں مانا گیا۔ عیسائی اتوار کی کیوں تعظیم کرتے ہیں۔ جمعہ میں کون سی خوبی ہے؟

ج ۔ عیسائی اتوار کو صرف اس لیے مانتے ہیں کہ اس دن حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر آسمان سے مائدہ یعنی دسترخوان اترا تھا۔ انہوں نے دعا کی تھی رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا۔

لہٰذا یہ دن ان کی عید کا ہوا لیکن جمعہ مسلمانوں کی عید اس لیے بنا کہ وہ انسانی دنیا کا پہلا دن بھی ہے اور آخری بھی کیونکہ جمعہ کے دن ہی آدم علیہ السلام کی پیدائش ان کا جنت میں جانا ہوا۔ پھر جنت سے زمین پر آنا بھی اسی دن ہوا۔ قیامت بھی جمعہ کے دن ہی آوے گی۔ نیز انبیاء کرام پر بڑے بڑے انعامات اسی دن میں ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا۔ یعقوب علیہ السلام سے ملنا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی کا پار لگنا سب جمعہ کے دن ہوا۔ نیز ہفتہ میں سات دن ہیں۔ جن میں پہلا دن جمعہ ہے

لہٰذا جمعہ کو عبادت کے لیے خاص کیا گیا تاکہ ہفتہ کی ابتدا برکت پر ہو (روح البیان زیر آیت نزول مائدہ)

س۔ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں صرف فرض ہی پڑھیں جو اللہ کا حکم ہے سُنت کیوں پڑھیں۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟

ج۔ فرض کے لیے سنت ایسی ہیں جیسے کھانے کے لیے پانی کہ نہ تو کھانا بغیر پانی کے تیار ہو اور نہ کھایا جا سکے۔ ایسے ہی خود فرض نماز میں سُنت داخل ہے۔ جیسے ہاتھ اٹھانا سورۂ فاتحہ پڑھنا سورہ ملانا وغیرہ اور قریباً ہر فرض نماز کے ساتھ سُنتیں بھی ادا کی جاتی ہیں۔ جیسے بغیر پانی کھانے کی دعوت ناقص ہے۔ ویسے ہی بغیر سنت فرض نماز غیر مکمل ہے۔ تارک سنت شفاعت سے محروم ہے۔ بلکہ انسان پر فرائض تو بعد بلوغ جاری ہوتے ہیں۔ مگر سنتیں پیدائش سے ہی ساتھ ہوتی ہیں ختنہ عقیقہ نام رکھنا سب سنت ہی ہیں۔ اسی طرح مرتے ہی تمام فرائض ختم ہو جاتے ہیں مگر سنتیں مرنے کے بعد بھی ساتھ نہیں چھوڑتیں۔ چنانچہ قبر کفن بعد دفن فاتحہ ایصال ثواب سُنت ہیں بلکہ خود مرنا بھی سنت ہے۔ اسی لیے ہمارا نام اہل فرض نہیں بلکہ اہل سنت والجماعت ہے سُنت کے منکر کو چاہیے کہ ناف سے گھٹنے تک کا جانگیہ پہنا کرے اور جان نکلتے وقت کچھ چنے چاب لیا کرے جس سے جان بچے کہ فرض صرف اتنا ہی ہے۔ نکاح اولاد سب سنتیں ہی تو ہیں۔

س۔ بعض کھانے بغیر پانی ہی تیار ہوتے ہیں اور بغیر پانی کھائے بھی جاتے ہیں جیسے تر میوے۔

ج۔ اُن میں بھی پانی کی ضرورت ہے کہ اُن کے درخت پانی ہی سے پرورش پاتے ہیں۔ نیز اُن میں قدرتی پانی موجود ہے ورنہ یہ سُوکھ جاویں۔

س۔ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض والے کی نماز کیوں نہیں ہوتی اور فرض والے کے پیچھے نفل والے کی نماز کیوں ہو جاتی ہے؟

ج۔ اس لیے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ضمن میں ایسی ہوتی ہے جیسے لفافہ میں پرچہ حدیث میں ہے کہ امام ضامن ہے اور ظاہر ہے کہ ضمن میں لینے والا یا تو قوی ہو یا برابر۔ کاغذ کا لفافہ لوہے کے پترے کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتا پھٹ جاوے گا۔ لہٰذا لازم ہے کہ یا تو امام کی نماز مقتدی سے قوی ہو یا برابر لہٰذا نفل تو فرض کے پیچھے ہو سکتے ہیں مگر فرض نفل کے

پیچھے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ فرض نفل سے قوی ہے۔ اس لیے امام کا بھی مقتدیوں سے قوی یا برابر ہونا لازم ہے اگر امام مقتدی سے کمزور ہو تو نماز میں خرابی ہو گی۔ امی قاری کی ننگا ساتر کی امامت نہیں کر سکتا۔

س۔ احادیث میں وارد ہے کہ معراج کی صبح کو جبریل علیہ السلام نے دو دن حضور کو نمازیں پڑھائیں حالانکہ یہ نمازیں حضور علیہ السلام پر فرض تھیں۔ اور جبریل علیہ السلام کے لیے نفل کیونکہ فرشتوں پر یہ نمازیں فرض نہیں۔ دیکھو فرض نفل کے پیچھے ادا ہوئے۔

ج ۔ جب جبریل علیہ السلام کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا۔ تو وہ نمازیں اُن پر فرض ہو گئیں، لہٰذا امامت جائز ہوئی جیسے دیہات کے باشندے جب شہر میں آجاویں تو ان پر جمعہ و عید فرض ہو جاتا ہے کہ اہل شہر کی امامت بھی کر سکتے ہیں۔

س۔ امام مقتدی سے افضل ہوتا ہے۔ لازم آیا کہ جبریل علیہ السلام حضور سے افضل ہوں۔

ج ۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ حضور علیہ السلام نے صحابی عبدالرحمٰن بن عوف کے پیچھے بھی ایک رکعت پڑھی ہے۔ حالانکہ وہ اُمتی ہیں۔ اور حضور نبی۔ استاد شاگرد کے پیچھے شیخ مرید کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ یہ تو امامت ہے۔ حضور تو کعبہ معظمہ سے بھی افضل ہیں کیونکہ خیر خلق اللہ ہیں۔ کعبہ بھی جز خلق اللہ ہے۔ لہٰذا اس سے بھی افضل۔ حالانکہ حضور علیہ السلام ساجد ہیں اور کعبہ مسجود الیہ۔

س۔ کم از کم جبریل علیہ السلام نماز کے استاد ہوئے۔ کیونکہ اُنہوں نے حضور کو نماز سکھائی۔ اور حضور علیہ السلام شاگرد اور اُستاد شاگرد سے اعلیٰ ہوتا ہے۔

ج ۔ معلّم نہیں صرف مبلغ اور پیغام رساں ہیں۔ اسی لیے حضور کے در دولت پر حاضر ہوتے ہیں اگر استاد ہوتے تو حضور علیہ السلام اُن کے پاس جاتے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام حضرت خضرؑ کے پاس گئے۔ حضور علیہ السلام رب کے شاگرد رشید ہیں۔

لکھے نہ پڑھے جناب والا　　　شاگرد رشید حق تعالےٰ

س۔ پھر تو انبیاء کرام کو بھی محض مبلّغ ماننا چاہیے۔ ان کی اتنی تعظیم و توقیر کیوں کی جاتی ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام کو بھی نبی ماننا چاہیے جو مبلغ ہو وہ نبی ہے۔

ج ۔ انبیاء کرام خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ فی العروض ہیں۔ جیسے کہ خرید و فروخت کا وکیل کہ عقد

کے سارے احکام اولاً اس سے وابستہ ہوتے ہیں، پھر موکل سے پیغمبر جو باتیں اُمت کو پہنچائیں گے خود بھی پہلے ان پر عمل کریں گے۔ ایسے ہی استاد و شیخ نبی اور اُمت کے درمیان گویا واسطہ فی العروض ہے مگر فرشتے خالق و مخلوق کے درمیان محض واسطہ فی الثبوت ہیں۔ جیسے نکاح کا وکیل کہ وہ محض موکل کے الفاظ نقل کر دیتا ہے نکاح کے احکام سے اُسے کوئی تعلق نہیں یا جیسے رنگریز کہ کپڑے میں رنگ پہنچا دیتا ہے۔ خود رنگین نہیں ہوتا ایسے ہی مل کر احکام پہنچا دیتے ہیں، نہ خود عمل کرتے ہیں نہ دوسروں سے کراتے ہیں، اسی لیے بعض دفعہ جبریل علیہ السلام نے مجمع صحابہ میں حضور سے کچھ دینی مسائل دریافت کیے تاکہ لوگ سُنیں اور عمل کریں، خود احکام نہ سناوے۔ لہذا پیغمبر نبی ہیں۔ اور فرشتے نبی نہیں جیسے حکام اور محکمہ ڈاک کے کام کرنے والے احکام بذریعہ ڈاک پہنچاتے ہیں حکام عمل کرتے کراتے ہیں۔

س۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا جاتا ہے۔ مگر وضو کا غسالہ پینا مکروہ ہے، ایک پانی کے دو حکم کیوں ہیں۔

ج۔ اس لیے کہ وضو کے پانی سے عبادت کی گئی ہے لہذا اس کی عظمت بڑھ گئی اسی لیے بچی ہوئی مسواک اور مسجد کے کوڑے کا بھی ادب ہے۔ مگر وضو کا غسالہ نمازی کے گناہ لے کر اس نمازی سے علیحدہ ہوا ہے، اس لیے اس کا پینا مکروہ ہے لیکن نبی کا غسالہ پینا مکروہ نہیں، بلکہ ثواب ہے، صحابہ کرام پیا کرتے تھے کیونکہ پیغمبر گناہوں سے معصوم ہیں، وہ سراپا نور ہیں۔ اُن کا غسالہ گناہ لے کر نہیں، بلکہ نورانی ہو کر گرا ہے۔

س۔ جب وضو سے گناہ جھڑتے ہیں تو چاہیے کہ پیغمبروں پر وضو واجب ہی نہ ہو کیونکہ وہ بے گناہ ہیں، مقصد وضو وہاں حاصل نہیں۔

ج۔ ہمارے لیے وضو کے دو فائدے ہیں۔ ظاہری اور باطنی ظاہری فائدہ نجاست کا دور ہونا ہے۔ باطنی فائدہ گناہ جھڑنا۔ انبیاء کرام کے لیے بھی دو فائدے ہیں۔ ظاہری فائدہ بے وضوئی کا علیحدہ ہونا۔ باطنی فائدہ مراتب بڑھنا جو نیکی گنہگار کے گناہ معاف کراتی ہے وہ بے گناہ کے درجات بڑھاتی ہے۔ جیسے مسجد کی طرف قدم کہ اس سے گنہگار

کے گناہ جھڑتے ہیں اُور نیک کار کے مراتب بڑھتے ہیں۔

س ۔ قرآن فرماتا ہے کہ نماز بے حیائیوں اُور گناہ سے روکتی ہے، حالانکہ بعض نمازی بھی گناہ گار ہوتے ہیں۔ شیطان بڑا نمازی تھا۔ مگر بڑا گناہ گار ہوا۔

ج ۔ اس کے تین جواب ہیں۔ ایک یہ کہ نماز بحالت ادا گناہ نہیں کرنے دیتی۔ روزہ حج وغیرہ میں جھوٹ وغیبت وغیرہ نہیں ہے۔ مگر نماز میں سارے اعضا پر کنٹرول ہے۔ دوسرے یہ کہ برائیوں سے روکنا نماز کی تاثیر ہے۔ لیکن اگر تونس والے کی پیاس پانی سے نہ بجھے تو اس میں پانی کا قصور نہیں۔ اگر کوئی زہر سے نہ مرے تو زہر کے قاتل ہونے میں فرق نہ آئے گا تیسرے یہ کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ میں الف لام عہدی ہے۔ یعنی نماز مقبول جس میں ظاہری و باطنی شرائط کا لحاظ رہے وہ بے شک گناہوں سے روکتی ہے۔ جو نماز گناہوں سے نہ روکے، وہ نماز کا نالب ہے نہ کہ نماز مقبول ۔

روزہ

س۔ روزے میں کیا حکمت ہے۔ اسلام میں یہ کیوں رکھا گیا کہ ہم اپنی چیز ایک وقت خود نہ کھا پی سکیں

ج ۔ پیٹ بھرنے سے نفس قوی ہوتا ہے اُور خالی رہنے سے روح میں قوت آتی ہے روح اُور نفس ہمارے گویا دو بازو ہیں۔ یا انسانی زندگی کے دو پہیے۔ لہذا کچھ دن نفس کو غذا دو اور کچھ دن روح کو۔ نیز روزہ[۲] پیٹ کی تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ اگر کوئی ہر ماہ میں تین دن روزے رکھ لیا کرے۔ تو وہ شکمی امراض سے محفوظ رہے گا۔ نیز روزے[۳] سے فقیر اُور فاقہ کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ اُور فقراء کی امداد کو دل چاہتا ہے۔ روزے[۴] میں اپنی بندگی اُور رب کی ملکیت کا اظہار ہوتا ہے کہ ہم اپنی کسی چیز کے مستقل مالک نہیں۔ گھر میں سب کچھ ہے۔ مگر رب نے روک دیا۔ تو کچھ استعمال نہیں کر سکتے۔ روزے[۵] سے بھوک برداشت کرنے کی عادت رہتی ہے کہ اگر کبھی فاقہ در پیش آجاوے۔ تو روزہ دار صبر کر سکے گا۔ روح[۱] جسم میں آنے سے پہلے

غذا سے محفوظ تھی لہٰذا گناہ سے بھی بری تھی۔ جسم میں آکر غذا کی حاجت مند ہوئی۔ لہٰذا گناہ بھی کرنے لگی، اب کچھ وقت اسے بھوکا رکھو۔ تاکہ اسے اپنی پہلی حالت یاد رہے اور گناہ سے باز رہے۔

س۔ روزے میں کیا خصوصیات ہیں۔ جو دیگر عبادات میں نہیں ؟

ج ۔ روزے میں چند خصوصیات ہیں۔ اولاً یہ کہ تمام عبادات میں کچھ کرنا ہے اور روزے میں چھوڑنا یعنی کھانا پینا، جماع چھوڑنا اور رب کے لیے تواہشات چھوڑنا بڑی عبادت ہے دوسرے یہ کہ تمام عبادات میں اطاعت کا غلبہ ہے۔ اور روزے میں عشق کا۔ کیونکہ اس میں عشاق کے تمام نشان موجود ہیں۔ (شعر)

عاشقاں راشش نشاں است اے پسر
آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر
گر ترا پرسند سہ دیگر کدام
کم خوردن و کم گفتن و خفتن حرام

تیسرے یہ کہ دیگر عبادات خاص حالات میں رہتی ہیں، مگر روزہ ہر حالت میں مومن کے ساتھ ہے کیونکہ جاگتے سوتے کھیلتے کودتے، کاروبار کرتے ہر حال میں روزہ منہ میں ہے چوتھے یہ کہ روزہ شکم سیری کی زکوٰۃ ہے، پانچویں یہ کہ عبادات شکر ہیں۔ اور روزہ صبر اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

س۔ حدیث قدسی میں ہے۔ الصَّومُ لِی وَاَنَا اَجزِیْ بِہٖ روزہ میرا ہے۔ میں اس کی جزا دوں گا اس کا کیا مطلب ہے۔ ساری عبادات رب کی ہیں اور وہ ہی جزا دینے والا ہے پھر روزے کو خاص کر کیوں کہا گیا؟

ج ۔ دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ دیگر عبادات میں ریا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ ظاہر ہیں۔ مگر روزے میں ریا کا احتمال نہیں۔ کیونکہ یہ خفیہ چیز ہے۔ اگر کوئی گھر میں کچھ کھالے اور لوگوں میں روزہ ظاہر کرے تو کوئی کیا جانے۔ لہٰذا روزہ دار یقیناً رب کے لیے ہی روزہ رکھ سکتا ہے دوسرے یہ کہ قیامت میں ظالم کی دیگر عبادات مظلوم چھین لیں گے۔ مگر روزہ کسی کو نہ دیا جائے گا

حکم ہوگا کہ یہ تو میری چیز ہے۔ کسی کو نہ ملے گی۔

س۔ پھر اس کا مطلب ہے کہ میں اس کی جزا دوں گا؟

ج۔ اس حدیث کی دو قرأتیں ہیں اُجْزٰی بِہٖ۔ یعنی میں روزہ کی جزا ہوں۔ تمام عبادات کی جزا جنت اور روزے کی جزا خود خالق جنت ہے۔ دوسری اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ یعنی میں روزے کا خود بدلہ دوں گا۔ دیگر عبادات کے ثواب مقرر ہیں۔ مگر روزے کی جزا کچھ مقرر نہیں فرمائی۔ ربّ دینے والا بندہ لینے والا۔ جس قدر چاہے گا دے گا۔ کیونکہ روزہ دار عاشق ہے اور عشق کا ثواب لقاء محبوب ہے۔ لقاء محبوب کے ساتھ تمام نعمتیں غیر محدود ہیں۔

س۔ ماہ رمضان میں کیا خصوصیات ہیں جو دیگر مہینوں میں نہیں؟

ج۔ چند خصوصیات ہیں۔ قرآن شریف میں صرف رمضان ہی کا نام آیا ہے۔ کسی اور مہینہ کا نہیں آیا جیسے جماعت صحابہ میں صرف زید کا نام آیا۔ رمضانؔ۔ رحمٰن۔ غفران۔ قرآن اور شیطان قریباً ہموزن ہیں۔ یعنی رحمٰن نے رمضان میں قرآن بھیجا۔ تاکہ مومنوں کو غفران ملے۔ اور شیطان کو قید۔ دیگر مہینوں میں خاص دن یا خاص ساعتیں عبادت کی ہیں۔ بقر عید میں ۴ دن نویں سے بارھویں تک۔ محرم میں دسویں شوال میں پہلی۔ شعبان میں چودھویں۔ رجب میں ستائیسویں تاریخیں مگر رمضان میں ہر ساعت عبادت کی ہے۔ کہ صبح سے شام تک روزہ۔ پھر افطار۔ تراویح سحری۔ تلاوت قرآن۔ غرضیکہ عجیب مبارک ماہ ہے۔ ماہ رمضان گلشن اسلام کے لیے موسم بہار ہے کہ اس کے آتے ہی مساجد۔ قرآن۔ ذکر۔ تلاوت وغیرہ سب ہی میں رونق آجاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس مہینہ میں جنت بھی آراستہ ہوتی ہے۔ دیگر مہینوں میں ایک یا دو خصوصی عبادات کی جاتی ہیں۔ مگر رمضان میں بے شمار روزہ۔ افطار۔ سحری۔ تراویح۔ اعتکاف اور شب قدر کی عبادات۔ ادائے زکوٰۃ۔ عام مسلمانوں کو دوسرے مہینوں کی تاریخیں معلوم نہیں ہوتیں۔ مگر ماہ رمضان کا دن گن گن کر گذارا جاتا ہے۔

س۔ روزوں کے لیے ماہ رمضان کیوں منتخب ہوا؟

ج۔ اس لیے کہ ماہ رمضان میں قرآن شریف لوح محفوظ سے منتقل ہو کر پہلے آسمان پر آیا۔ پھر وہاں سے ۲۳ سال میں آہستہ آہستہ حضور علیہ السلام پر نازل ہوا۔ قرآن ربّ کی بڑی نعمت ہے۔

نعمت ملنے پر بطور شکریہ روزے رکھوائے گئے۔ نیز رمضان میں ہر نیکی کا ثواب ۷۰ درجہ ملتا ہے۔ اس لیے اس مہینہ میں روزہ اعتکاف وغیرہ رکھے گئے تاکہ ثواب زیادہ ہو۔

س۔ رمضان میں تراویح بیس رکعت کیوں پڑھتے ہیں اور تراویح میں قرآن کیوں پڑھا جاتا ہے۔

ج۔ اس لیے کہ ہر رمضان میں جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا قرآن شریف سُنایا کرتے تھے اور اچھوں کی نقل بھی اچھی ہوتی ہے۔ انسان ہر دن رات میں ۲۰ رکعت فرض و واجب پڑھتا ہے۔ ۱۷ فرض ۳ وتر رمضان میں ان ۲۰ کی تکمیل کے لیے ۲۰ رکعتیں اور پڑھوائی گئیں تاکہ اس مبارک مہینہ میں اگر وہ رکعتیں ناقص رہی ہوں تو اُن سے کامل ہو جائیں۔ اس ماہ میں عبادت کامل تر چاہیے۔

س۔ جب ماہ رمضان ایسا مبارک مہینہ ہے تو اس کے جانے پر عید کیوں منائی جاتی ہے۔ مبارک چیز جانے پر غم منانا چاہیے نہ کہ خوشی؟

ج۔ یہ خوشی دو وجہ سے ہے۔ ایک تو ماہ مبارک میں عبادت کی توفیق ملنے کا شکریہ۔ خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے خیر سے روزے تراویح اعتکاف وغیرہ ادا کرا دئیے۔

دوسرے یہ کہ مسلمانوں کو رمضان کے جانے کا بہت صدمہ ہوتا ہے۔ جمعۃ الوداع کو لوگ زار زار روتے ہیں۔ اس غم کو ہلکا کرنے کے لیے یہ خوشی رکھ دی تاکہ رنج کا احساس کم ہو۔

س۔ روزہ دن میں کیوں رکھا جاتا ہے۔ رات کو چاہیے تھا؟

ج۔ اس لیے کہ بدنی عبادت میں محنت اور نفس کی مخالفت چاہیے اسی پر اجر ملتا ہے۔ رات میں انسان ویسے بھی نہیں کھاتا پیتا اُس وقت کھانا چھوڑنا محنت نہیں۔ نیز رات سوتے میں گزرتی ہے عبادت کا احساس نہ ہوتا۔

س۔ اگر روزے میں تکلیف ضروری ہے تو چاہیے کہ ہندو مہاتما جوگیوں کی طرح دس پندرہ دن کا برت رکھا جاوے کہ اتنے روز تک افطار نہ ہوا کرے یہ کیا کہ روز شام کو افطار کر لیا رات بھر کھایا پیا۔ دن کو روزہ رکھ لیا۔

ج۔ جوگیوں کا برت عام انسانوں کی طاقت سے باہر ہے اور جو سادھو وغیرہ ایسا کرتا

ہے۔ وہ دین و دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتا۔ جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ یہ عبادت سارے مسلمان کریں اور روزے میں دوسری عبادات دیگر کاروبار بند نہ ہوں۔ اور یہ عبادت بھی ادا ہو جائے۔ یہ مقصود اس طریقہ کے سوا اور طریقہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسلام عملی مذہب ہے۔ دیگر مذاہب کے احکام طاق میں رکھنے کے لیے ہیں۔

س۔ روزے میں بھول چوک معاف ہے۔ بھول سے کھا پی لیا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا مگر نماز میں معاف نہیں۔ اگر کوئی بھول کر نماز میں بول پڑے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ فرق کیا ہے؟

ج۔ روزے میں بھول چوک زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس میں کوئی یاد دلانے والی چیز موجود نہیں۔ اس لیے یہاں معافی ہے۔ مگر نماز کی ہر حالت قیام رکوع وغیرہ نماز کو بتا رہی ہے۔ اس لیے اس میں بھول کم واقع ہو گی۔ اس لیے اس میں یہ رعایت نہ کی گئی۔

زکوٰۃ

س۔ اسلام نے زکوٰۃ کیوں فرض کی۔ اپنا کمایا ہوا مال دوسروں کو مفت کیوں دلوایا۔

ج۔ چند وجہ سے ۱۔ سخاوت انسان کا کمال ہے اور بخل عیب زکوٰۃ دینے سے یہ عیب دور ہوتا ہے اور وہ کمال حاصل ہوتا ہے ۲۔ جیسے ہماری کمائی میں حکومت کا بھی حصہ ہوتا ہے جسے ٹیکس کہتے ہیں۔ پھر وہ ٹیکس ہمارے ہی مفاد یعنی ملکی انتظام پر خرچ ہوتا ہے ایسے ہی کمائیوں کمائیوں میں رب کا حق ہے۔ جو ہمارے غربا پر ہی خرچ ہونا ہے۔

۳۔ چلتی پھرتی چیز بہتر رہتی ہے اور رکی ہوئی چیز بگڑ جاتی ہے۔ کنوئیں کا پانی نکلتا رہے تو ٹھیک رہے گا۔ ورنہ بگڑ جائے گا۔ لہذا دولت بند نہ کرو اسے چلتا پھرتا رکھو۔

۴۔ زکوٰۃ سے امداد باہمی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جو انسان کی بہترین صفت ہے کہ رب کی نعمت مل بانٹ کر کھاؤ۔

نہ خرچ سے نعمت بڑھتی ہے۔ رد کنے سے گھٹتی ہے۔ انگور اور بیری کی شاخیں کاٹ دینے سے پھل زیادہ آتے ہیں۔ نہ کاٹو تو کم آتے ہیں۔ دانہ کھیت میں بکھیرنے سے زیادہ ہوتا ہے جمع رکھنے سے جلد ختم ہو جاتا ہے۔

س۔ جب رب نے مال ہمیں دیا۔ تو وہ ہمارا ہی حصہ ہے۔ ہم ہی استعمال کریں۔ اپنا حصہ مفت خوروں کو کیوں دیں ؟

ج۔ رب جو چیز کسی کو ضرورت سے زیادہ دے تو اس میں دوسروں کا بھی حصہ ہوتا ہے بھینس کے تھن میں دس سیر دودھ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ صرف اس کے بچہ کے لیے نہیں دوسروں کا بھی اس میں حصہ ہے۔ کتیا کے تھن میں تھوڑا سا ہی دودھ ہے۔ کیونکہ وہ صرف اس کے بچوں ہی کے لیے ہے۔ اگر میزبان مہمان کے آگے ضرورت سے زیادہ کھانا رکھے۔ تو وہ سب مہمان کے لیے نہیں بلکہ ہڈیاں اس کے کتوں کے لیے ہیں۔ باقی ماندہ اس کے نوکروں کا حق ہے۔ کھیت میں کنوئیں سے پانی آرہا ہے۔ وہ کیاریوں کے لیے ہے اگر کھیت والا وہ پانی نہ پھیلائے۔ تو کنوئیں والا پانی نہ چھوڑے گا۔ غربا رب کی کھیتیاں ہیں۔ ان کا دیا ہوا مال ان میں بھی پھیلاؤ۔

س۔ کیا زکوٰۃ صرف مال ہی میں ہے۔ یا ہر چیز میں ؟

ج۔ شرعی زکوٰۃ تو صرف تجارتی مال میں ہے۔ مگر زکوٰۃ کی حقیقت ہر جگہ موجود ہے۔ پھلوں کا گودا انسان کے لیے ہے۔ مگر چھلکا جانوروں کا حق ہے۔ گندم میں پھل ہمارا حصہ مگر بھوسا جانوروں کا گندم میں بھی آٹا ہمارا ہے۔ بھوسی جانوروں کی۔ ہمارے جسم میں بال ناخن کا علیحدہ کرنا ضروری ہے یہ سب زکوٰۃ ہیں۔ بیماری تندرستی کی زکوٰۃ ہے مصیبت راحت کی نمازیں دنیاوی کاروبار کی گویا زکوٰۃ ہیں۔

س۔ زکوٰۃ سے قوم میں بیکاری اور بھیک مانگنے کی رسم بڑھتی ہے۔ اسی لیے آج جتنے بھکاری مسلمانوں میں ہیں۔ اتنے دوسری قوموں میں نہیں۔ جب مفت ملے تو محنت کیوں کریں ؟

ج۔ زکوٰۃ سے مسلم قوم دوسروں کی محتاج نہ ہوگی۔ اپنی ضرورتیں اپنی ہی قوم سے پوری ہوں گی دیکھو بوہرے قوم کا انتظام کہ ان میں زکوٰۃ کی وجہ سے کوئی غریب نہیں۔ مسلمانوں میں افلاس

اب سو برس سے آیا ہے اور زکوٰۃ کا مسئلہ چودہ سو برس سے رائج ہے۔ اگر زکوٰۃ قوم کو غریب کرتی تو پہلے مسلمان مالدار کیوں تھے۔ موجودہ افلاس کی وجہ مسلمانوں کی عیاشی۔ بیکاری مقدمہ بازی۔ حرام رسموں کا رواج ہے۔ اسلام نے جہاں زکوٰۃ کا حکم مال داروں کو دیا ہے۔ وہاں غربا کو بھیک مانگنے سے سخت منع فرمایا۔ اور حلال کمائی کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ فقیروں کو زکوٰۃ ملنے کی امید تو ہو گی مگر یقین نہ ہو گا کہ زکوٰۃ ملے یا نہ ملے۔

س۔ زکوٰۃ اہل قرابت کو ایسا کیوں جائز ہے۔ چاہیے تو یہ کہ بالکل اجنبی کو دی جاوے۔ جس سے کوئی دنیاوی تعلق نہ ہو۔

ج اہل قرابت کو زکوٰۃ دینے میں دو فائدے ہیں۔ ایک تو عبادت دوسرے اپنے عزیز کی خدمت عزیز کی خدمت و سلوک ویسے بھی لازم تھا۔ رب کا یہ کرم تھا کہ اس نے اسی ضمن میں عبادت بھی ادا کر دی۔

س۔ تو چاہیے کہ اپنے ماں باپ اولاد کو بھی زکوٰۃ دی جائے۔ وہ بھی تو عزیز بلکہ بڑے قریبی عزیز ہیں؟

ج۔ ماں باپ۔ اولاد۔ زوج۔ بیوی عادۃً ان کے مال مشترکہ ہوتے ہیں۔ یعنی ان میں ہر ایک دوسرے کا مال بے تکلف خرچ کرتا ہے۔ اور اس کو اپنا مال سمجھ کر کھاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ہمارے باپ کا مال ہے۔ اگر ان لوگوں کو زکوٰۃ دی گئی تو گویا زکوٰۃ اپنے گھر ہی میں رہی۔ اس لیے ان عزیزوں کو زکوٰۃ مت دو

س۔ پیغمبر پر زکوٰۃ فرض کیوں نہیں چاہیے کہ نماز روزہ کی طرح یہ بھی ان پر فرض ہو؟

ج۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ پیغمبر ایسے فنا فی اللہ ہیں کہ ان کا مال براہ راست رب کی ملک ہے۔ وہ حضرات مالک ہی نہیں۔ اور رب کی ملک ہے۔ وہ حضرات مالک ہی نہیں اور رب کی ملک میں زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ مسجد۔ مدرسہ۔ خانقاہ وغیرہ اوقاف کے مالوں میں زکوٰۃ نہیں کیونکہ وہ کسی بندے کی ملک نہیں۔ رب کی ملک ہیں۔ ایسے ہی مال نبی ہے۔ اسی لیے نبی کے مال میں میراث نہیں۔ کہ وقف مال کی میراث کیسی دوسرے یہ کہ امت نبی کی حکمی غلام و لونڈی ہے۔ اسی لیے اگر پیغمبر کسی کا کسی سے نکاح کر دیں تو ان کو ماننا لازم ہے۔ جیسے کہ حضرت زید

اور زینب کا نکاح ہوا اور اگر کسی کی بیوی کو اس پر حرام کردیں تو وہ بیوی ہوتے ہوئے شوہر پر حرام ہوگی۔ جیسے حضرت کعب ابن مالک کا حال ہوا۔ بائیکاٹ کے زمانہ میں اور آقا اپنے غلام و لونڈی کو اپنی زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ لہٰذا کوئی مسلمان پیغمبر کی زکوٰۃ کا مصرف نہ تھا۔ اس لیے ان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ جو عبادت قابل ادا نہ ہو۔ وہ فرض نہیں ہوتی۔

س۔ زکوٰۃ چالیسواں حصہ کیوں ہے۔ کم و بیش کیوں نہیں؟

ج۔ اس لیے کہ بنی اسرائیل پر چوتھائی مال زکوٰۃ تھی۔ یعنی روپیہ میں چار آنہ پچیس فی صدی اس امت کو نیکی کا دس گنا ثواب ملتا ہے۔ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ لہٰذا ربّ تعالےٰ نے اس امت کے لیے چہارم کا دسواں یعنی چالیسواں حصہ فرض کیا۔ تاکہ یہ دس گنا ہو کر چہارم کے برابر ثواب کا باعث ہو۔ جیسے اسلامی نمازیں پڑھنے میں پانچ اور ثواب میں پچاس ہیں۔ ایسے ہی اسلامی زکوٰۃ ادا کرنے میں ڈھائی روپیہ سینکڑہ ہے۔ مگر ثواب میں پچیس روپیہ سینکڑہ۔

س۔ زکوٰۃ سال میں ایک بار کیوں فرض ہے۔ نماز کی طرح روزانہ یا حج کی طرح عمر میں ایک بار کیوں فرض نہیں؟

ج۔ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ مال بڑھتا بھی رہے اور اس کی زکوٰۃ بھی نکلتی رہے۔ لہٰذا مالک کو سال بھر کا موقعہ دیا ہے کہ کاروباری آدمی سال بھر تجارت کر کے خوب مال بڑھالے پھر کل کا چالیسواں حصہ ادا کرے۔ چونکہ سال میں تینوں موسم اور چاروں فصلیں آجاتی ہیں۔ لہٰذا ہر مال کے بڑھنے کا کافی موقع مل جاتا ہے۔ ہر چیز کسی موسم میں سستی ہو جاتی ہے۔ دوسرے میں مہنگی۔

س۔ زکوٰۃ کو زکوٰۃ کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی پاکی ہیں۔ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ اسی لیے مذبوح جانور کو ذکی کہتے ہیں۔ چونکہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد باقی مال پاک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسے زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ یا زکوٰۃ کے معنی ہیں بڑھنا چونکہ زکوٰۃ نکالنے سے مال بڑھتا ہے اور محفوظ بھی رہتا ہے۔ لہٰذا اسے زکوٰۃ کہتے ہیں۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ

حج وزیارت

س۔ حج کے کیا معنی ہیں اور حج کو حج کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ حج کے لغوی معنی ہیں ارادہ اور قصد۔ چونکہ اس میں بھی انسان بیت اللہ کے ارادے سے گھر سے سفر کرتا ہے لہذا اس کا نام حج ہے۔

س۔ اسلام میں حج کیوں فرض ہے۔ بلا وجہ مسلمانوں کو سفر کی مشقت اور روپیہ کے خرچ میں کیوں ڈالا گیا؟

ج۔ حج میں دینی اور دنیاوی ہزارہا مصلحتیں ہیں۔ دنیاوی مصلحتیں حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ جیسے جسمانی تفریح کے لیے باغ کی سیر کو جاتے ہیں کہ وہاں کی ہوا دماغ کو تازگی بخشتی ہے اور وہاں کی مہک معطر کر دیتی ہے۔ ایسے ہی حرمین کی زمین ایمانی باغ ہے جہاں کی ہوا ایمان کو تازگی بخشتی ہے۔ اور چونکہ وہ جگہ ہزارہا انبیاء کرام کی گذرگاہ اور سینکڑوں نبیوں کا مدفن ہے لہذا وہاں کی مہک ایمان کو معطر کرتی ہے۔ حج میں خشکی و تری کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ جس سے آدمی کا تجربہ بڑھتا ہے۔ حج میں ہر ملک کے مسلمانوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ جس سے دُنیا کے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق رہتا ہے۔ حج مسلمانوں کی سالانہ کانفرنس ہے جس میں بے تکلف مسلمان جمع ہو جاتے ہیں۔ حج کے ذریعہ سے ملک حجاز کے باشندے پرورش پاتے ہیں۔ کیونکہ وہاں کی زمین بے آب و دانہ ہے۔ وہاں حج ہی پر گزر اوقات ہے۔ حج میں سفر کی قدر اور مسافر کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے جس سے انسان میں مسافروں کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ حج سے آدمی میں مشقت برداشت کرنے کی عادت پڑتی ہے۔ کیونکہ حرمین شریفین میں تکلیف ضرور برداشت کرنی پڑتی ہے

س۔ حج میں دینی مصلحتیں کیا کیا ہیں؟

ج۔ صدہا مصلحتیں ہیں۔ حج میں مسلمان اللہ کے لیے اپنا وطن چھوڑتا ہے۔ جس میں مہاجر کا ثواب پاتا ہے۔ حج سے پچھلے پیغمبروں کی یاد تازہ ہوتی ہے جس سے ان کی محبت بڑھتی ہے

اور پیغمبروں کی محبت ہی اصل ایمان ہے۔ حج میں حضرت ہاجرہ اور حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کی نقل ہے۔ اور اچھوں کی نقل بھی اچھی ہے۔ حج میں حضرت ہاجرہ کی بیکسی اور پھر رب کی قدرت یاد آتی ہے۔ جس سے انسان میں صبر اور حلم پیدا ہوتا ہے حج سے صبر و تحمل کا سبق ملتا ہے۔ کیونکہ حضرت ہاجرہ کے صبر اور تحمل کی یہ ساری بہار ہے۔ حج سے قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ منیٰ میں حضرت خلیل نے فرزند کی قربانی دی تھی جس کی یادگار میں حاجی اب بھی قربانیاں دیتے ہیں۔

س۔ حج میں طواف کیوں ہوتا ہے کعبہ کے آس پاس گھومنا دیوانگی سی معلوم ہوتی ہے؟

ج۔ حج میں عشق کا غلبہ ہے۔ پروانہ شمع کا عاشق ہے تو اس کے ارد گرد گھومتا ہے۔ حاجی بھی رب کا عاشق ہے تو اس کے گھر کو شمع سمجھ کر پروانہ کی طرح اس کے ارد گرد گھومے۔

س۔ حج میں احرام کیوں باندھا جاتا ہے؟

ج۔ جیسے نماز میں داخلہ تکبیر تحریمہ سے ہوتا ہے۔ ایسے ہی حج میں داخلہ احرام سے ہے۔ احرام کے لباس میں کفن کی یادگار ہے کہ آئندہ ہمیں ایسا ہی بے سلا کپڑا پہن کر قبر میں جانا ہے۔ احرام میں غریب و امیر کو یکساں کیا گیا ہے۔ احرام میں عاشق کی شان بنا کر رب کے دروازے پر بلایا گیا ہے کہ بکھرے بال بڑے ناخن کفنی گلے میں ڈالے عشاق حاضری کا شور مچاتے حاضر ہیں۔

س۔ حج کے لیے بے آب و گیاہ جنگل کیوں مقرر ہوا۔ کوئی سرسبز اور شاداب ملک ہونا چاہیے تھا۔

ج۔ اس لیے کہ کعبہ معظمہ کی جگہ آباد زمین کا بیچ حصہ ہے۔ اسی جگہ سے زمین بن کر پھیلی۔ درمیانی جگہ میں ہر ملک کے لوگوں کا پہنچنا آسان ہے۔ اسی زمین میں ان نبیوں کا درود ہوا حج جن کی یادگار ہے۔

س۔ تو اسی جگہ کو سرسبز شاداب کر دینا چاہیے تھا۔ اسے خشک ریگستان کیوں رکھا؟

ج۔ تاکہ حاجی محض رب کی رضا کے لیے یہاں آویں۔ کوئی دنیاوی غرض شامل نہ ہو سرسبز ملک میں تفریح تجارت، سیر آرام، عیاشی کا خیال ہو سکتا ہے۔ اس بنجر زمین میں عبادت کے سوا دوسری نیت نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے حاجی کے سلے کپڑے اتروا کر کفن پہنایا جاتا ہے۔

تاکہ ظاہری آرام بھی ختم ہو جائے۔ عیش کرنا ہو تو لندن یا پیرس جاؤ۔ عبادت کرنا ہو تو عرب میں حاضری دو۔

س۔ حضور علیہ السلام کا قیام مکہ معظمہ میں کیوں نہ ہوا۔ اتنی دُور مدینہ پاک میں کیوں ہوا ؟

ج ۔ تاکہ حج کے طفیل زیارت نہ ہو۔ زیارت کے لیے علیحدہ مستقل سفر ہو تاکہ زائر کی نگاہ میں زیارت کا وقار پیدا ہو۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کی ولادت کسی مشہور مہینہ رمضان وغیرہ میں نہ کسی مشہور دن جمعہ یا اتوار کو ہوئی کیونکہ حضور سے دوسروں کی عزت ہے حضور کی عزت خالق کے سوا کسی دوسرے سے نہیں۔

س ۔ عرفات و مزدلفہ و منیٰ میں قیام کیوں ضروری ہے ؟

ج ۔ جہاں اللہ والوں کا گذر ہو جاوے یا جس جگہ کسی پیارے پر رب کا فضل ہو جاتا ہے۔ وہ جگہ تاقیامت نزول رحمت کی جگہ ہو جاتی ہے۔ یہ ہی حال تاریخوں اور دنوں کا ہے۔ منیٰ میں آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ عرفات میں حضرت آدم و حوا کی ملاقات ہوئی مزدلفہ میں حضرت آدم علیہ السلام نے بعد قبول توبہ قیام فرما کر عبادت الٰہی کی منیٰ میں حضرت خلیل اللہ نے فرزند کی قربانی کی اس لیے یہ مقامات تاقیامت متبرک ہو گئے چونکہ یہ کام ان ہی تاریخوں میں ہوئے تھے۔ اس لیے تاریخیں بھی وہ ہی مقرر ہوئیں۔

س ۔ مدینہ پاک کی حاضری کیوں دی جاتی ہے۔ رب کی رحمت ہر جگہ ہے ؟

ج ۔ بے شک اس کی رحمت تو ہر جگہ ہے۔ مگر ہر جگہ ملتی نہیں۔ مدینہ پاک اور بندگانِ دین کے آستانے رحمت الٰہی کے ملنے کے مقامات ہیں۔ ریل ساری لائن سے گزرتی ہے۔ مگر اس کے پانے کے لیے اسٹیشن جانا ہوتا ہے۔ بجلی کی رَو سارے تار میں ہوتی ہے۔ مگر روشنی وہاں ہی ہوگی۔ جہاں قمقمہ لگا ہو۔ یہ مقامات رحمت ربانی کے اسٹیشن یا تجلی الٰہی کے قمقمے ہیں رب ہر جگہ رازق ہے۔ ہر جگہ شافی امراض ہے۔ مگر رزق تلاش کرنے مالداروں کے دروازے پر اور شفا لینے کے لیے اطباء کی دوکان پر جاتے ہیں۔ ایسے ہی مدینہ پاک رزق روحانی اور شفا نفسانی ملنے کی جگہ ہے۔

س ۔ روضہ پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے مزارات پر سلام کیوں پڑھا جاتا ہے ؟

کے لیے نیز رب فرماتا ہے۔ اِذَا حُیِّیۡتُمۡ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوۡا بِاَحۡسَنَ
جِ دیۓ منۡھَآ اَوۡ رُدُّوۡھَا یا مثلھا ۔ ۲۹

ج ۔ بھیک مانگنے والا داتا کے دروازے پر کھڑے ہو کر گھر اور گھر والے کو دعائیں دیتا ہے۔ یہ دُعائیں گویا مانگنے کا طریقہ ہے حضور سخی داتا ہیں۔ ہم بھکاری اُن کے دروازے پر صدا دینے کیلئے صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں تاکہ بھیک ملے۔ نیز رب فرماتا ہے اِذَا حُیِّیۡتُمۡ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡھَآ اَوۡ رُدُّوۡھَا۔ جب تمہیں کوئی سلام کرے تو اس سے بہتر جواب دو یا کم از کم اس جیسا ہی دو۔ ہم غلاموں کو قوی امید ہے کہ حضور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ناچیز سلاموں کا جواب ضرور دیں گے اور فرمائیں گے وعلیکم السلام اے اُمتی تو بھی سلامت رہ۔ حضور مقبول الدعا ہیں۔ اگر ایک دفعہ بھی سلامتی کی دُعا دے دی تو انشاء اللہ ہم دونوں جہان کی آفتوں سے سلامت رہیں گے۔ یہ صلوٰۃ وسلام دعا لینے کی تدبیر ہے۔

س ۔ مدینہ پاک کی مٹی کو خاک شفا کیوں کہتے ہیں۔ اور آب زمزم کو دواء اور برکت کے لیے کیوں استعمال کرتے ہیں ؟

ج ۔ آب زمزم ایک پیغمبر اسمٰعیل علیہ السلام کے پاؤں شریف سے پیدا ہوا گویا آپ کے پاؤں کا غسالہ ہے۔ اور مدینہ پاک کے ذرے قدم پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مس ہوئے۔ لہٰذا ان میں شفا پیدا ہو گئی۔ شعر

کہاں یہ مرتبے اللہ اکبر سنگ اسود کے
یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمدؐ کے

شہد کی مکھی کے منہ میں پھولوں کا پھیکا رس میٹھا اور شفا یعنی شہد بن جاتا ہے۔ ریشم کے کیڑے کے منہ سے چھو کر شہتوت کے پتے ریشم بن جاتے ہیں۔ حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ سے مس ہو کر خاک میں زندہ ہونے کی تاثیر پیدا ہو گئی۔ جس سے سامری کا بچھڑا زندہ ہو گیا اسی طرح پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پاک سے مس ہو کر خاک مدینہ شفا ہو گئی۔ خود حضور علیہ السلام نے مدینہ کی خاک کو شفا فرمایا۔ بِتُرۡبَۃِ اَرۡضِنَا بِرِیۡقَۃِ بَعۡضِنَا یَشۡفِیۡ سَقِیۡمَنَا ۔ اور یہ شفا تا قیامت باقی ہے۔

س ۔ آب زمزم کو آبِ زمزم کیوں کہتے ہیں ؟

ج - زمزم زَمْزَمَةٌ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں گنگنا کر گانا چونکہ حضرت ہاجرہ نے پہلی بار یہ پانی خوشی میں گنگنا کر پیا تھا اس لیے اس کا نام زمزم رکھا گیا۔ یا یہ لفظ زم زم تھا جس کے معنی ہیں، ٹھہر ٹھہر کر حضرت ہاجرہ نے اس پانی کو دیکھا۔ تو اس کے اردگرد دیوار سی بنا دی اور فرمانے لگیں۔ یَا مَاءُ زَمْ زَمْ ۔ اے پانی ٹھہر ٹھہر اس لیے اس کا نام زمزم ہوا احادیث شریف میں ہے کہ اگر اس پانی کو روک نہ دیا جاتا۔ تو مشرق و مغرب میں دریا کی شکل میں ہوتا۔

س - قربانی کیوں کی جاتی ہے۔ کیا جانور کی جان لینا بھی عبادت ہے؟

ج - اس لیے کہ قربانی کرنے سے خود رب پر قربان ہونا بھی آتا ہے۔ کیونکہ ہر ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہوتا ہے۔ دانہ پر کھیت کی زمین قربان ہوئی کہ جوت دی گئی اور دانہ جانور پر قربان ہوا کہ جانور نے کھالیا۔ پھر جانور انسان پر قربان ہو گیا کہ ذبح کر دیا گیا۔ اسی قاعدے سے چاہیے کہ انسان رب پر قربان ہو کر جب دین کو اس کی جان کی ضرورت ہو پیش کر دے۔ جیسے خلیل اللہ نے اپنے فرزند کی قربانی امرالٰہی پر پیش کر دی۔ نیز ذبح کرنے سے جہاد اور شہادت پیدا ہوتی ہے۔ جس قوم نے خون نہ دیکھا ہو۔ وہ کبھی جنگ نہیں کر سکتی۔ جیسے بنیا اور برہمن۔ جسے مرنا آتا ہے۔ اسے جینا بھی آتا ہے۔ جس قوم میں مرنے کا جذبہ نہ ہو۔ اسے دنیا میں زندہ رہنے کا بھی حق نہیں گویا قربانی کرنے والے جانور کو مار کر خود مرنا سیکھتا ہے۔

جہاد اور شہادت

س - اسلام میں جہاد کیوں رکھا گیا۔ یہ تو وحشیانہ کام ہے۔ خونریزی اور امن برباد کرنے میں کیا فائدہ ہے؟

ج - جہاد میں بہت حکمتیں ہیں۔ چند حسب ذیل ہیں۔ جن کا وجود امن کے لیے خطرہ ہو۔ ان کو دبا دینا یا مٹا دینا گویا امن قائم کرنا ہے۔ حکومتیں بدمعاشوں کو سزائیں دیتی ہیں تاکہ نیک لوگ

امن سے رہیں۔ کھیت سے گھاس دُور کی جاتی ہے۔ تاکہ فصل کو ضعف نہ پہنچے۔ گلا سڑا عضو کاٹ دیا جاتا ہے تاکہ تندرست عضو کو خراب نہ کرے۔ کفارِ دُنیا کے لیے گویا گھاس یا جسم درست میں خراب عضو ہیں۔ مردِ مومن گویا فصل یا تندرست جسم ہے۔ ان کو مغلوب کرنا نیکوں کو امن دینا ہے۔ جہاد سے قومی قوت پیدا ہوتی ہے۔ جس سے قوم باعزت زندگی بسر کرسکتی ہے۔ جہاد سے عبادات کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ تلوار کے سایہ میں مسجدیں قائم اور اسلامی احکام جاری ہو سکتے ہیں۔ تلوار قرآن کا راستہ صاف کرتی ہے اور قرآن تلوار کو بے محل چلنے سے روکتا ہے۔ جیسے تندرستی کے لیے بیماری کے اسباب دور کرنا لازم ہے۔ ایسے ہی دینی قوت کے لیے غلبۂ کفر مٹانا ضروری ہے۔

س۔ کیا جہاد سے یہ مقصود ہے کہ کفار فنا کر دئیے جائیں؟

ج۔ نہیں۔ بلکہ یہ کفر کا غلبہ توڑ دیا جاوے۔ اگر جہاد سے کفّار کا مٹانا مقصود ہوتا۔ توآج ہندوستان میں ایک کافر نظر نہ آتا کیونکہ یہاں آٹھ سو سال اسلامی سلطنت رہ چکی ہے اللہ کی زمین پر مسلمانوں کو بھی رہنے کا حق ہے۔ کفّار یہ گوارہ نہیں کرتے۔ جہاد کے ذریعے مسلمانوں کو ان کا یہ جائز حق دلوایا جاتا ہے۔

س۔ جہاد کو جہاد کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ جہاد جہد سے بنا ہے بمعنی مشقت۔ چونکہ تمام عبادات سے یہ زیادہ مشکل ہے کہ اس میں سفر بھی ہے۔ جان کا خطرہ بھی مصیبتوں کا جھیلنا بھی۔ لہذا اسے جہاد کہا گیا یعنی مشقت والی عبادت۔ اسی لیے اس کا ثواب بھی زیادہ ہے کہ مار کے آیا تو غازی، مر گیا تو شہید لٹ گیا تو روزہ۔ لوٹ آیا تو عید۔

س۔ شہید کو شہید کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ یا تو شہید بمعنی حاضر ہے۔ کیونکہ دیگر لوگ قیامت کے بعد جنت میں حاضر ہوں گے۔ اور یہ مرتے ہی سبز پرندوں کی شکل میں جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ اور وہاں کے رزق کھاتا ہے۔ لہذا شہید یعنی حاضر ہے یا اس لیے کہ شہید کو بارگاہ الٰہی میں حاضر کر کے پوچھا جاتا ہے کہ کچھ تمنا کر عرض کرتا ہے۔ کہ مجھے پھر دنیا میں بھیجا جائے۔ تاکہ پھر شہید ہوؤں۔ جو لذت

خاک و خون میں تڑپنے میں ملی وہ کبھی نہ ملی۔ حکم الٰہی ہوتا ہے کہ ہم ایک بار پاس کر کے
دوبارہ امتحان نہیں لیا کرتے۔ لہٰذا یہ شہید ہے یا شہید بمعنی گواہ ہے۔ یوں تو سارے مسلمان
گذشتہ پیغمبروں کے گواہ ہیں۔ مگر شہید سرکاری گواہ۔

س۔ شہید کا اسلام میں کیا درجہ ہے؟

ج۔ نبوت کے بعد صدیقیت ہے۔ اور صدیقیت کے بعد شہادت رب فرماتا ہے۔ مِنَ النَّبِيِّينَ
وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۔ شہید پر نبی کی خاص تجلی ہے۔
کہ نبی کی نیند وضو نہیں توڑتی اور شہید کی موت غسل نہیں توڑتی۔ نبی کے فضلات امت
کے لیے پاک ہیں۔ شہید کا خون پاک۔ نبی وفات شریف کے بعد زندہ ہیں رزق پاتے
ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ ۔ شہید بھی بعد موت زندہ
ہے۔ رزق پاتا ہے۔ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ط

س۔ شہادت کا اتنا اعلیٰ درجہ کیوں ہے۔

ج۔ اس لیے کہ ثواب بقدر مشقت ملتا ہے۔ چونکہ دیگر عابدین راہ الٰہی میں اپنا پیسہ یا وقت
خرچ کرتے ہیں اور یہ جان اور جان سب سے اعلیٰ۔ لہٰذا اس کا اجر بھی زیادہ۔ حکومتیں فوج
کی بڑی عزت کرتی ہیں۔ جو مارا جائے اس کے بچوں تک سے سلوک کرتی ہیں۔ کیونکہ اس
نے اپنی جان سے حکومت کی خدمت کی۔ ایسے ہی شہید بھی۔

س۔ سید الشہداء کون ہے۔ ابوبکر صدیق یا حضرت عمر یا امام حسین رضی اللہ عنہم۔

ج۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ ان حضرات میں ہر ایک مختلف حیثیات سے سید الشہداء ہیں
ابوبکر فنا فی الرسول کی حیثیت سے سید الشہداء ہیں۔ کہ حضور کی وفات کی خبر والے تیر سے صدیق کی
وفات غم والے وار کے تیر سے حضور کی وفات دوشنبہ کے دن میں صدیق کی دوشنبہ کے بعد سہ شنبہ کی رات
کی رات میں حضور کے گھر میں وفات کی شب چراغ میں تیل نہیں۔ صدیق کے گھر کفن کیلئے کپڑا نہیں حضرت
عمر اس لیے سید الشہداء ہیں۔ کہ مدینہ پاک کی زمین مسجد نبوی نماز فجر کی مشغولیت حضور کی محراب
اس میں شہادت پھر روضہ پاک مصطفےٰ علیہ السلام میں دفن۔ حضرت عثمان غنی اس لیے
سید الشہداء ہیں۔ کہ مدینہ پاک کی زمین۔ قرآن پاک کی تلاوت خون کا قرآن پر گرنا بغیر مقابلہ

کئے شہید ہونا۔ امام حسین اس لیے سید الشہداء ہیں کہ آپ بروقت شہادت پردیس مہاجر بھی تین دن کے متواتر روزہ دار بھی، گھر بار کو راہ الٰہی میں لٹانے والے بھی اور بے مثل نمازی بھی جن کی نماز وضوو تیمم سے بے نیاز ہے۔

س۔ واقعہ کربلا کیوں ہوا اس میں کیا حکمتیں ہیں؟

ج۔ صحابہ کرام اور اہلبیت علیہم السلام قرآن کی زندہ تفسیریں ہیں۔ قرآن نے شاکرین کے اجر بھی بیان کیے اور صابرین کے بھی خلفائے راشدین کی زندگی پاک شکر کی تفسیر ہے۔ اور حضرت امام کی زندگی مبارک صبر کی تفسیر شاکر بن کر ذاکر خلفاء راشدین ہیں اور صابر ہو کر امام حسین کی شہادت تفسیر قرآن کی تکمیل ہے

س۔ اس صبر کے لیے امام حسین ہی کیوں تجویز ہوئے؟

ج۔ اس لیے کہ امام حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ جنتی جوانوں میں کوئی مہاجر ہوگا کوئی غازی کوئی شہید۔ امام حسین کربلا سے پہلے بظاہر نہ مہاجر تھے نہ مجاہد نہ غازی۔ مرضی الٰہی تھی۔ کہ ایک واقعہ کربلا میں اس جنتی سردار کو سارے مدارج طے کرا دیے جائیں۔ گویا کربلا کی تپتی ریت ان کے لیے ٹریننگ سکول تھا۔ اس لیے آپ پر مال۔ اولاد۔ وطن۔ احباب جاں غرض تمام چیزوں کے مصائب جمع کر دیئے گئے۔

س۔ اگر امام حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ تو جنت میں سب جوان ہی ہوں گے۔ تو چاہیے کہ آپ پیغمبروں اور صدیقین کے بھی سردار ہوں کہ وہ جنت کے جوان ہیں۔ حالانکہ آپ امتی ہیں نبی کا سردار نہیں ہو سکتا۔ اور پھر صدیق اکبر سب سے افضل نہ ہوئے۔

ج۔ جنتی جوانوں سے مراد وہ جنتی ہیں۔ جو جوانی میں وفات پا جائیں۔ انہیں کے آپ سردار ہیں۔ کوئی پیغمبر دنیا سے جوانی میں نہ گئے۔ اور نہ صدیق اکبر و فاروق اعظم و مولیٰ علی۔ لہٰذا یہ حضرات اس حکم سے خارج ہیں۔

س۔ رب نے یہ مصائب کیوں رکھے ہیں۔ وہ بندوں کو مشقت میں کیوں ڈالتا ہے؟

ج۔ یہ مصائب کھوٹے کھرے کی پہچان ہیں۔ اصلی نقلی سونا کسوٹی پر معلوم ہوتا ہے۔ جنگ کے میدان ایمان کی کسوٹیاں ہیں مصائب سے گناہ کی معافی ہوتی ہے۔ جیسے آگ سے لوہے کی صفائی۔

س۔ کسوٹی پردہ پر کھے جو عالم الغیب نہ ہو۔ رب جب عالم الغیب ہے تو اسے امتحان کی کیا ضرورت ہے؟

ج۔ امتحان کبھی دیکھنے کے لیے ہوتا ہے کبھی دکھانے کے لیے۔ رب کے امتحانات دوسرے مقصد کے لیے ہیں۔ تاکہ کل قیامت میں جزا دیتے وقت کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔

س۔ تو چاہیے کہ سارے مسلمان مجاہد اور غازی ہوا کریں۔ بغیر جہاد جنت نہ ملا کرے۔ ورنہ مخلوق کا اعتراض ہوگا۔ نیز بغیر مصیبت گناہوں سے صفائی نہ ہوگی۔

ج۔ امتحان قریبا سب کا ہوتا ہے۔ کسی کا آرام دے کر کسی کا مصائب بھیج کر، نوعیت کا امتحان جداگانہ ہے۔ ایوب علیہ السلام امتحان صبر میں کامیاب ہیں۔ اور سلیمان علیہ السلام شکر میں ہم گنہگاروں کا بھی یہ ہی حال ہے۔ کسی کو دے کر امتحان ہے کسی سے لے کر۔ نیز بعض چیزیں آگ سے پاک کی جاتی ہیں۔ بعض پانی سے بعض مومن راحت کے ذریعے صاف ہوتے ہیں۔ بعض تکلیف کے طریقہ سے۔

س۔ امام حسین کے قاتل کون تھے سنی یا شیعہ؟

ج۔ ان کے قاتل خاص شیعہ تھے۔ ان کے تین دلائل ہیں۔ ایک یہ کہ قاتلانِ امام حسین اہل کوفہ ہیں۔ اور کوفہ ہی میں حضرت علی مرتضیٰ کا دارالخلافہ اور ان کا جائے قیام تھا۔ ظاہر ہے کہ شیعہ جماعت وہاں ہی رہتی ہوگی۔ آج بھی لکھنؤ اور اودھ شیعوں کا مرکز اس لیے ہے کہ وہاں شیعہ سلاطین رہے اور اگر شیعہ کوفہ میں آباد نہ تھے تو بتاؤں کہاں تھے۔ دوسرے یہ کہ اب بھی شیعہ جماعت میں تقیہ داخل فی الدین ہے۔ حالانکہ اس وقت امام حسین نے تقیہ نہ کیا عبداللہ بن زیاد نے کہا کہ بصرے سے حجازی لباس پہن کر حجاز کے راستہ سے کوفہ پہنچا تاکہ لوگ سمجھیں کہ امام حسین آگئے۔ تیسرے یہ کہ آج بھی محرم میں شیعہ وہ ہی کام کرتے ہیں۔ جو اس وقت یزیدیوں نے کیے تھے۔ امام کا جنازہ نکالنا علم و تعزیہ کا جلوس اس میں ناچ کود اہلبیت نے یہ کام نہیں کیے۔

س۔ شیعہ ماتم میں سینہ کیوں کوٹتے ہیں کیا اس کی کوئی اصل ہے بعض جگہ زنجیر سے تلوار سے ماتم ہوتا ہے؟

ج۔ اس لیے کہ ان کے سینوں میں عداوت صحابہ کرام بھری ہے۔ وہ سینے کوٹنے پیٹنے کے ہی قابل

ہیں. یہاں خود پیٹتے ہیں آخرت میں ان سینوں کو فرشتے کوٹیں گے ۔ ذَالِكَ الْعَذَابُ الْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ. اگر یہ سینہ کوبی اظہار محبت کا طریقہ ہوتا تو ان سے زیادہ اہل کی محبت رکھنے والے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تھے. وہ تیروں برچھوں سے ماتم کیا کرتے۔

س ۔ شہیدوں کو زندہ کیوں فرمایا گیا ؟
ج ۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنی فانی زندگی راہ حق میں قربان کی تو انہیں باقی اور جاودانی زندگی عطا ہوئی. جزا مطابق عبادت عطا ہوتی ہے. مولانا فرماتے ہیں ؎

جاں دہی از بہرِ حق جانت دہند
ناں دہی از بہرِ حق نانت دہند

رَبّ نے فرمایا. لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ۔

س ۔ اگر شہید زندہ ہیں تو اُن کی بیویاں دوسرے کے نکاح میں کیوں آجاتی ہیں اور ان کی میراث کیوں تقسیم ہو جاتی ہے ؟
ج ۔ یہ حسّی اور جسمانی زندگی کے احکام ہیں کہ انسان کی بیوی اور مال دوسرے کو نہ ملے ۔ شہدا کی زندگی برزخی روحانی حکمی ہے جو احساس میں نہیں آتی اس لیے فرمایا گیا. بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۔ اس کی زیادہ تحقیق ہماری تفسیر نعیمی پارہ دوم میں اسی آیت کی تفسیر میں دیکھو

نکاح وطلاق

س ۔ نکاح کو نکاح کیوں کہتے ہیں ؟
ج ۔ نکاح کے معنی ہیں ملنا. چونکہ اس کی وجہ سے دو شخص ہی نہیں بلکہ دو قبیلے بلکہ کبھی دو ملک مل جاتے ہیں کہ لڑکی کے عزیز لڑکے کے عزیز بن جاتے ہیں اور برعکس بھی. لہذا یہ نکاح کہلاتا ہے۔

س ۔ اسلام میں نکاح کو عبادت کیوں مانا گیا ہے. اسے تجارت کی طرح دنیاوی کاروبار کیوں نہ قرار

دیا گیا ؟

ج ۔ اس لیے کہ یہ سنّت انبیا ہے۔ آدم علیہ السلام سے قیامت تک جاری ہے۔ اسی کے ذریعے انسان حیوان سے ممتاز ہے۔ اسی سے نسب چلتا ہے۔ اور نسب سے ہزار ہا فائدے ہیں۔ اسی سے اولیاء و بزرگانِ دین کی پیدائش ہے۔ جس سے اسلام کی بقا ہے۔ اس سے بچّہ کی پرورش اور تربیت کا انتظام ہے۔ نکاح سے تمام رشتے قائم ہیں۔ ماں باپ۔ چچا تایا وغیرہ نکاح کی برکت سے ہیں۔ اسی واسطے قرآن کریم نے نکاح کو رب کی نعمت قرار دیا اور فرمایا۔ وَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا خیال رہے کہ عبادت کا موقوف علیہ بھی عبادت ہے۔ وضو فرض ہے نماز کے لیے اور نکاح پر ساری عبادتیں موقوف ہیں۔ کہ نمازی غازی اسی سے پیدا ہوں گے۔ لہٰذا یہ اصل عبادات ہے۔

س ۔ اسلام میں نکاح ایجاب و قبول سے کیوں ہوتا ہے ہندوؤں کی طرح لڑکی کے آس پاس چکّر لگانے یا انگریزوں کی طرح لڑکے کے گلے ہار ڈالنے کا نام نکاح کیوں نہیں ؟

ج ۔ اس لیے کہ ہر لین دین ایجاب و قبول سے ہی ہوتا ہے۔ نکاح میں لڑکی کا لینا مہر کا دینا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے ایجاب و قبول درکار ہے۔ اگر میں کسی کے مکان کے آس پاس تنّو چکّر بھی لگا لوں یا کسی کے جانور کے گلے میں دس ہار ڈال دوں تب بھی اس کا مالک نہیں بن سکتا۔ لیکن اگر وہ کہہ دے کہ میں نے دیا۔ میں کہہ دوں۔ میں نے لیا۔ پس میں مالک ہوگیا۔ ایسے ہی نکاح ہے۔

س ۔ نکاح میں گواہ کیوں شرط ہیں اور اعلان کیوں سنّت ہے ؟

ج ۔ تاکہ زنا سے فرق ہو جائے۔ زنا خفیہ طریق سے ہوتا ہے۔ نیز عظیم الشان لین دین پر گواہ بنائے جاتے ہیں۔ تاکہ آئندہ جھگڑا نہ پیدا ہو۔ معمولی چیزیں بغیر تحریر و گواہ خریدی جاتی ہیں مگر زمین کی بیع پر گواہ بلکہ رجسٹری بھی کرائی جاتی ہے۔ تاکہ آئندہ جھگڑا نہ ہو نکاح بھی عظیم الشان لین دین ہے۔ جس میں صدہا جھگڑوں کا احتمال ہے۔ لہٰذا گواہ ضروری ہیں۔

س ۔ نکاح میں دعوتِ ولیمہ خرمے لٹانا کیوں سنّت ہے ؟

ج ۔ اس لیے کہ نکاح نعمت الٰہی ہے۔ اور نعمت ملنے پر فرحت و سرور کرنا رب کو پسند ہے فرماتا

ہے۔ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ یہ چیزیں اظہار خوشی کے لیے ہیں، جیسے بچہ کی پیدائش پر عقیقہ۔

س۔ نکاح میں مرد کے ذمہ مہر کیوں ہوتا ہے؟

ج۔ تاکہ زوجین میں قدرے برابری رہے کہ بیوی نے اپنی جان شوہر کے سپرد کی۔ تو اس کے معاوضہ میں شوہر نے مہر ونفقہ دیا۔ قدرے برابری ہوگئی۔ اگر بیع میں قیمت نہ ہو تو ہبہ ہے بیع نہیں اگر شوہر پر مہر وغیرہ حقوق نہ ہوں۔ تو عورت لونڈی ہے زوجہ نہیں۔

س۔ نکاح میں مرد کو عورت سے افضل کیوں مانا گیا۔ زوجین میں بالکل مساوات کیوں نہ رکھی گئی عورت بھی اللہ کی بندی ہے۔

ج۔ انتظام جب ہی قائم رہ سکتا ہے۔ جب حاکم اعلیٰ صرف ایک ہو۔ باقی ماتحت ہوں۔ ملک کا بادشاہ ایک درخت کی جڑ ایک انسان کے ظاہری اعضا دو دو مگر دل جو جسم کا سلطان ہے۔ وہ ایک فوج کا کمانڈر انچیف ایک ایسے ہی گھر کا سلطان بھی ایک چاہیے باقی ماتحت تاکہ خانگی نظم قائم رہے۔

س۔ یہ اس طرح بھی ہوسکتا تھا کہ عورت افضل رہتی مرد ماتحت ایسا کیوں نہ ہوا؟

ج۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ مرد کے ذمہ عورت کا خرچہ اور مہر ہے۔ عورت کے ذمہ نہیں۔ جو خرچہ دے وہ ہی حاکم۔ دوم مرد عورت سے عام طور پر عقل وطاقت میں زیادہ لہٰذا یہ ہی انتظام کے لائق ہے۔ تیسرے عورت پر بعض وقت ایسے حالات آتے ہیں۔ جب وہ کوئی کام نہیں کرسکتی سمجھ بھی ٹھکانے نہیں رہتی۔ جیسے حیض ونفاس کی حالتیں۔ مرد اس سے محفوظ ہے۔ لہٰذا سرداری کے وہ ہی لائق ہے۔ اسی لیے نبوت۔ سلطنت۔ قضاء مردوں ہی کو عطاء ہوتی ہیں۔

س۔ ایک مرد چار عورتوں سے نکاح کیوں کرسکتا ہے؟

ج۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ عورتوں کی پیداوار بمقابلہ مردوں کے زیادہ ہے۔ پھر مرد جنگوں میں مارے بھی جاتے ہیں۔ اس لیے اگر چند نکاحوں کی اجازت نہ ہو تو عورتوں کی کھپت نہیں ہوسکتی دوسرے چند نکاحوں سے قوم کی پیداوار زیادہ ہوگی۔ کہ ایک بیوی سے جتنی مدت میں ایک بچہ حاصل ہوسکتا ہے۔ اتنی مدت میں چار بیویوں سے چار بچے حاصل ہوں گے آج کثرت سے سلطنتیں

بنتی ہیں. پاکستان کا قیام کثرت ہی سے ہوا. وہ جو حدیث پاک میں ہے کہ محبت اور زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو. کیونکہ میں تمہاری کثرت سے فخر کروں گا. اس میں یہ راز بھی ہے

س ۔ توچاہیے کہ اگر کسی جگہ مرد زیادہ ہوں. تو ایک عورت چند مردوں سے نکاح کر سکے ۔

ج ۔ ہرگز نہیں. مرد حاکم اعلیٰ ہے. وہ ایک ہی چاہیے. نیز انسان کا بچہ پرورش و تربیت دونوں ہی کا حاجتمند ہے. پرورش ماں کے ذمہ ہے. تربیت باپ کے ذمہ. اگر عورت کے چند شوہر ہوں تو کوئی بھی بچہ کی تربیت کا ذمہ دار نہ بنے گا. اور نسب کسی سے ثابت نہ ہو گا. چونکہ جانور تربیت کے حاجت مند نہیں. لہذا وہاں یہ قید بھی نہیں. قدرت نے ہاتھ میں انگوٹھا ایک رکھا ہے اور انگلیاں جو گویا مونث ہیں. چار تجویز فرمائیں. معلوم ہوا کہ مرد ایک ہی چاہیے. نیز چند شوہروں میں سے عورت کے خرچہ کا کفیل کوئی نہ بنے گا. جیسے چند اولاد کے لیے ایک ہی باپ چاہیے ایک شخص کے چند باپ نہیں ہو سکتے. ایسے ہی بیوی کے لیے ایک ہی شوہر ضروری ہے

س ۔ توچاہیے کہ نبی کی بھی چار ہی بیویاں ہوتیں. حالانکہ حضور علیہ السلام کی نو بیویاں تھیں اتنی عیش پرستی سے نبوت کے فرائض کیسے انجام پا سکتے ہیں ؟

ج ۔ نکاح فقط عیش پرستی کے لیے نہیں ہوتا. ورنہ حضور علیہ السلام کی تمام ازواج کنواری ہوتیں عین شباب کے عالم میں جو نکاح شریف ہوا وہ عمر رسیدہ بی بی حضرت خدیجہؓ سے ہوا. جن کی عمر شریف چالیس سال اور آپ کی عمر مبارک پچیس سال تھی ۔ ۵۰ سال کی عمر شریف جو بڑھاپے کی عمر ہے. اس میں دوسرے نکاح ہوئے. پھر نبوت کے فرائض ایسے انجام دئیے کہ سبحان اللہ انبیاء کے ذمہ تبلیغ ہے. تبلیغ کے لیے ضروری ہے کہ قوموں سے تعلقات ہوں. تعلق پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ لڑکی لینا دینا ہے. حضور علیہ السلام نے ان قبیلوں کے سرداروں کی بیٹیاں نکاح میں قبول فرمائیں. جن سے پورے قبیلے قبضے میں آگئے. جیسے حضرت ام حبیبہ بنی امیہ کے سردار ابوسفیان کی بیٹی. حضرت صفیہ قبطی قوم کے سردار حی ابن اخطب کی بیٹی وغیرہ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان قوموں سے جنگ ختم ہوگئی اور آخر کار وہ سب مشرف بہ اسلام ہو گئے. آج برطانیہ کے تعلق امریکہ سے اسی لیے قوی ہیں کہ ان کی لڑکیاں ایک دوسرے کے گھر ہیں. جرمنی سے یہ تعلق نہیں. سلاطین کے نکاحوں میں صدہا راز ہوتے ہیں.

س۔ عیسائی اور ہندوؤں کے یہاں بے نکاح راہب بڑی عبادت ہے۔ سادھو اور گیانی بے نکاح رہتے ہیں اسلام میں ایسا کیوں نہیں؟

ج۔ خدا کی دی ہوئی طاقتوں کو بیکار کر دینا حماقت ہے۔ اور صحیح مقام پر خرچ کرانا عین کمال ہے آنکھ بند کر لینا حماقت ہے۔ مگر اُسے غیر محرم سے روکنا کمال ہے۔ قوت شہواتی بھی رب کی نعمت ہے اگر یہ بری ہوتی تو رب دیتا ہی کیوں۔ اس شہوت کو روکنے کے بڑے بڑے نتائج زنا کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر نکاح نہ کرنا کمال ہے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے ۲ و۔ داؤد علیہ السلام نے ۹۹۔ سلیمان علیہ السلام نے ایک ہزار بیویاں کیوں رکھیں۔ عیسائی کیا جواب دیں گے اور رام چندر کے والد راجہ جسرت نے دو کنھیا نے ایک ہزار بیویاں کیوں رکھیں۔ ہندو کیا جواب دیں گے؟

س۔ مسلمان کا نکاح کفار سے کیوں نہیں ہو سکتا۔ جب ان سے تجارت کر سکتے ہیں۔ تو نکاح بھی ہونا چاہیے؟

ج۔ اس لیے کہ نکاح کا مقصد گھر کی آبادی ہے۔ یہ جب ہی ہوگی جب زوجین کے دل ملے ہوں اختلاف دین کی وجہ سے آپس میں نفرت ہوگی جس سے گھر کی بربادی لازمی ہے۔

س۔ پھر اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیوں جائز ہے۔ وہ بھی تو کافرہ ہیں؟

ج۔ اس لیے کہ وہ اسلام سے قریب ہیں۔ لہٰذا امید ہے کہ ایسی عورت مومن کی صحبت سے مومنہ بن جائے۔ اگر مرد کے پھسلنے کا اندیشہ ہو تو اہل کتاب سے بھی نکاح منع ہے مشرکہ مرتدہ چونکہ اسلام سے بہت ہی دُور ہے۔ لہٰذا اس کے ایمان کی امید نہیں نکاح بھی جائز نہیں۔

س۔ لڑکی کے لیے بھی کفو کیوں ڈھونڈتے ہیں؟

ج۔ اس لیے کہ ہر شخص اپنے قبیلہ سے زیادہ مانوس ہوتا ہے۔ جتنا اُنس زیادہ ہوگا۔ اتنی ہی محبت زیادہ دیرپا ہوگی۔ اعلےٰ خاندان کی لڑکی ادنیٰ شوہر کو نگاہ میں نہیں لاتی جس سے خانہ جنگی رہتی ہے۔

س۔ اسلام نے چچا پھوپھی کی لڑکی سے نکاح کیوں حلال کیا چاہیے تھا کہ بالکل اجنبی جگہ نکاح ہوتا جیسا ہندوؤں میں ہوتا ہے۔

ج - اس لیے کہ آپس کے عزیز پہلے سے ایک دوسرے کی عادات سے واقف ہوتے ہیں لہذا جتنی محبت آپس میں ہوگی اجنبی سے نہ ہوگی۔ کہ نہ معلوم اس کی طبیعت کیسی ہو۔ نیز آپس میں ذات وغیرہ کی تحقیق نہیں کرنی پڑتی۔ نیز آپس میں نکاح سے اپنی خاندانی جائداد اور مال خاندان ہی میں رہتے ہیں۔ غیر جگہ نہیں جاتے۔ نیز آپس کے نکاح سے محبت بڑھ جاتی ہے کیونکہ ایک محبت پہلے سے موجود تھی۔ دوسری محبت لڑکی سے قائم ہوگئی۔

س - تو چاہیے کہ سگی بہن سے بھی نکاح کیا جاوے کہ یہ سارے فائدے اس میں زیادہ ہیں۔ جیسا پارسی لوگ کرتے ہیں؟

ج - ہرگز نہیں۔ کیونکہ بہن۔ ماں۔ خالہ وغیرہ پر کسی کو شہوت نہیں پیدا ہوتی۔ دل میں نفرت رہتی ہے لہذا اس صورت میں یا تو اولاد پیدا نہ ہوگی۔ اگر کسی بے غیرت کے اولاد ہوگئی تو نہائت کمزور ہوگی اور یہ مقصد نکاح کے خلاف ہے۔

س - اسلام میں ختنہ کیوں رکھا گیا ہے؟

ج - چند وجہ سے ایک یہ سنت ابراہیمی اور سنت نبوی ہے۔ ختنہ نہ ہونے سے بہت سی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ختنہ بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔ اس لیے ڈاکٹر بعض بیماریوں میں ہندوؤں کا ختنہ کرا دیتے ہیں۔ ختنہ کی کھال باقی رہنے سے اس جگہ خارش سی ہوتی ہے۔ اور وہ خارش جلن کی عادت پیدا کرتی ہے۔ جس سے ہزار ہا بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ختنہ والے کی عورت بہت کم بدچلن ہوگی۔ ختنہ سے اولاد قوی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت اسماعیل کی قربانی قبول ہوئی بدلہ میں دنبہ ذبح کرایا اور بدن کا ایک حصہ یعنی ختنہ کی کھال کٹوا دی گئی۔ یہ ختنہ گویا بدن انسانی کی قربانی ہے۔

س - طلاق کو طلاق کیوں کہتے ہیں؟

ج - اس لیے کہ طلاق طلق سے بنا جس کے معنی ہیں کھلنا۔ چہرہ کے کھلنے کو طلاقۃ الوجہ اور بے قید کو مطلق کہتے ہیں۔ چونکہ طلاق میں عورت کو نکاح کی قید سے کھول دیا جاتا ہے لہذا اسے طلاق کہتے ہیں۔

س - طلاق کیوں جائز رکھا گیا۔ یہ تو جدائی ہے؟

ج ۔ اس لیے کہ کبھی مرد و عورت کی علیحدگی سخت ضروری ہو جاتی ہے. نکاح کا بقا ایک یا دونوں کے لیے وبال جان بن جاتا ہے. اُسے شروع کیا گیا. مگر ابغض المباحات یعنی بُری خبر فرمایا گیا۔

س ۔ اگر طلاق کی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے. تو چاہیے کہ عورت کو بھی طلاق کا حق ہو. یہ کیا کہ مرد تو آزاد ہو اُور عورت مرد کی پابند۔

ج ۔ عورت میں قدرتی طور پر عقل کم ہوتی ہے اُور جوش وغصہ زیادہ اس کو طلاق کا حق دینا گویا دیوانہ کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے. جن قوموں نے عورتوں کو طلاق کا حق دیا. وہاں بات بات پر طلاقیں ہو رہی ہیں اُور گھر برباد ہو رہے ہیں. جیسے لندن و پیرس۔

س ۔ عورت کی اسی پابندی سے بڑے فتنے پڑے ہوئے ہیں. کہ مردوں نے عورتوں پر بڑے ستم ڈھائے اگر عورت کو بھی طلاق کا حق ہوتا تو یہ ظلم نہ ہوتے۔

ج ۔ پھر اس سے صدہا گنا زیادہ مصیبت ہوتی. حق یہ ہے کہ طلاق مصیبت ہے لیکن مرد کے قبضہ میں رہے تو کم مصیبت ہے اُور عورتوں کے قبضہ میں جائے تو زیادہ مصیبت. اُور جب انسان دو بلاؤں میں گرفتار ہو. تو آسان کو اختیار کرے. عورتوں کی آزادی سے کوئی گھر قائم نہیں رہ سکتا

س ۔ جیسے نکاح میں جانبین کی مرضی ضروری ہے. ایسے ہی طلاق میں بھی جانبین کی رضا ضروری ہونی چاہیے. صرف مرد کی رائے سے طلاق کیوں ہو جاتی ہے ؟

ج ۔ نکاح میں ایک شے مرد کی ملک میں آتی ہے. تو ضروری ہے کہ مالک بننے والے اُور ملک میں آنے والے دونوں کی رضا ہو. طلاق میں ملک سے نکلنا ہے. اسی میں مالک مختار ہے. نوکر رکھتے وقت مالک و نوکر دونوں کی رضا ضروری. مگر نوکری سے علیحدگی کے وقت صرف مالک کی رضا کافی ہے۔

س ۔ نکاح پڑھاتے وقت زوجین کو کلمہ کیوں پڑھاتے ہیں. وہ دونوں پہلے ہی سے مسلمان ہیں ؟

ج ۔ اس لیے کہ نکاح کا وقت گویا معاہدہ کا وقت ہے کہ زوج زوجہ کے لیے مہر اُور خرچہ کا عہد کرتا ہے. اُور زوجہ زوج کے لیے اطاعت و فرمانبرداری کا معاہدہ کرتی ہے اُور معاہدہ کے وقت کلمہ پڑھانا یا قرآن شریف اٹھوانا تاکید کے لیے ہوتا ہے تاکہ معاہدہ سے کوئی پھر نہ سکے. لہذا کلمہ پڑھا کر عہد کراتے ہیں نیز عوام کے منہ سے کبھی کفریہ باتیں نکل جاتی ہیں. گناہ کرتا رہتا ہے

لہذا کلمہ پڑھا کر توبہ کرا کر نکاح پڑھتے ہیں۔ تاکہ برکت رہے۔

س۔ اب نکاح فساد کی جڑ بن گیا کہ اس سے بنے دل بگڑ جاتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ج۔ اس لیے کہ موجودہ مسلمانوں نے نکاح کو عبادت نہ سمجھا۔ مالی کاروبار بنا لیا۔ لڑکے زیادہ جہیز کی فکر میں ہیں۔ اور لڑکی زیادہ مہر کی۔ جب یہ دنیاوی کاروبار بن گیا۔ اور دنیا فساد کی جڑ ہے۔ لہذا اس میں جھگڑے فساد ہو گئے۔

اسلامی سزائیں

س۔ اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے یہ جرم سے زیادہ ہے۔ کہ چور مال تو لے چار روپے کا اور ہاتھ وہ کٹے جس کی قیمت ہی نہیں۔ رب فرماتا ہے۔ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا۔ جو گناہ کرے اسے گناہ کی بقدر ہی سزا دی جائے

ج۔ چور کا ہاتھ کاٹنا مال کی سزا نہیں بلکہ قانون شکنی کی سزا ہے۔ قانون ہاتھ سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ قانون کے لیے سینکڑوں قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی لیے اگر چور لاکھ روپیہ مالک کو دے دے۔ تب بھی ہاتھ کٹنے سے نہیں بچ سکتا۔ آیت میں مِثْلُهَا سے شرعی مثل مراد ہے نہ کہ جتنی شریعت نے اس جرم کو ہاتھ کی مثل قرار دے دیا تو وہ ہی اس کی مثل ہے۔ یہ آیت آخرت کے بارے میں ہے۔ یعنی رب تعالیٰ نیکوں کو نیکی کا زیادہ ثواب دے گا کہ ایک کا ثواب سات سو۔ مگر بدی میں بالکل اضافہ نہ ہوگا۔

س۔ چوری میں ہاتھ کاٹنا ظلم ہے۔ چند روپیہ میں انسان کی زندگی خراب نہ کرنی چاہیے۔

ج۔ ظلم وہ سزا ہے جو قانون سے زیادہ ہو۔ ہاتھ کاٹنا قانونی سزا ہے۔ آج چور کو دو سال کی سزا ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ آدھے گھنٹہ میں چوری کرتا ہے۔ مگر چونکہ قانون کے اندر ہے۔ لہذا ظلم نہیں۔ اگر ایک بدمعاش کی زندگی برباد ہونے سے لاکھوں زندگیاں سنبھل جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں قوم پر افراد قربان ہوتے ہیں۔ ایک کا ہاتھ کٹنے سے دوسرے بدمعاش چوری سے باز رہیں گے

نیک معاش آرام سے زندگی بسر کریں گے۔

س۔ ہاتھ کاٹنے سے فائدہ کیا ہے؟

ج۔ ہاتھ چوری کا آلہ ہے۔ آلہ ہی ختم کر دو نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ پھر یہ شخص چلتا پھرتا اشتہار اور لوگوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے کہ اس کو دیکھ کر لوگ چوری سے توبہ کریں گے۔ خود یہ بھی آئندہ اپنا کٹا ہوا ہاتھ دیکھ کر کبھی چوری نہ کرے گا۔

س۔ جب چوری میں ہاتھ کاٹا جو چوری کا آلہ ہے۔ تو چاہیے کہ زنا میں زانی کا ذکر کاٹو جو زنا کا آلہ ہے۔ اس میں رجم کیوں کرتے ہو؟

ج۔ چوری صرف ہاتھ سے ہوتی ہے۔ باقی وہاں جانا آنکھ سے مال دیکھنا یہ چوری کے مقدمات ہیں بخلاف زنا کے کہ وہ تمام جسم سے ہوتا ہے۔ اور سارے جسم کو لذت آتی ہے۔ منی بھی جسم کے ہر عضو کے خون سے بنتی ہے۔

س۔ اسلام میں زنا کی سزا موت کیوں ہے۔ جان کا بدلہ جان چاہیے نہ کہ گناہ کا؟

ج۔ زانی ایک بچہ کی ساری نسل خراب کرتا ہے کہ اسے حرامی بناتا ہے۔ حرامی ہونا ہلاکت کی طرح ہے۔ گویا زانی ایک نسل کا قاتل ہے۔ لہٰذا اس کی جان لو۔

س۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ قاتل سے قصاص تلوار سے لیا جاتا ہے۔ مگر زانی کی جان پتھراؤ سے نکالی جاتی ہے۔ جو قتل سے بدتر ہے۔ کیا زنا قتل سے برا ہے؟

ج۔ ہاں قتل مقتول کی صرف جان لیتا ہے۔ مگر زانی بچہ کی نسل کو خراب کرتا ہے۔ اور مزنیہ کی بلکہ اس کے سارے خاندان کی آبرو برباد کرتا ہے۔ آبرو جان سے زیادہ عزیز ہے۔ نیز زنا بڑی خونریزی کا ذریعہ ہے۔ اس سے رقیبوں کی بہت سی جانیں جاسکتی ہیں۔ لہٰذا اسے روکنے کے لیے عبرتناک سزا دینا ہی ضروری ہے۔ ہابیل کا قتل زنا کی وجہ سے ہی ہوا معلوم ہوا کہ پہلا قتل زنا سے ہوا۔

س۔ کیا وجہ ہے کہ زنا کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ مگر اغلام جو زنا سے بدتر ہے۔ اس کی یہ سزا نہیں۔ اس میں صرف تعزیر ہے۔

ج۔ اس لیے کہ اغلام میں کسی بچہ کی نسل نہیں بگڑتی۔ ہاں یہ انتہائی بے شرمی کا کام ہے اسی لیے

لوطی کی بھی جان ضرور لینی چاہیے۔

س۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ جوا کھیلنے کی سزا مقرر نہیں، مگر شراب کے لیے اسّی کوڑے مقرر ہیں۔ حالانکہ شراب و جوا یکساں جرم ہیں۔

ج۔ یکساں نہیں شراب سے عقل جاتی ہے۔ جس سے انسان صدہا جرم کر سکتا ہے۔ کیونکہ جرموں سے روکنے والی چیز عقل ہی تھی۔ جب وہ ختم ہو گئی تو اب جرم سے کون روکے لہٰذا اس کی سزا سخت ہے۔ شراب ام الخبائث ہے۔

س۔ اسلام نے جیل کی سزا کیوں نہیں رکھی؟

ج۔ اس لیے کہ جیل بادشاہ اور رعایا دونوں کے لیے مصیبت ہے۔ اور اس سے جرم کم نہیں ہوتے کیونکہ جیل کی وجہ سے حکومت پر خرچہ بہت پڑتا ہے۔ جسے پورا کرنے کے لیے یا مجرم سے جرمانہ لیا جائے یا رعایا سے ٹیکس اور مجرم جب سمجھتا ہے کہ جرم کی سزا جیل ہے۔ جہاں مفت کی روٹیاں ملیں گی۔ وہ جرم پر دلیر ہوگا۔ بعض غربا کو کہتے سنا گیا کہ چوری میں فائدہ ہے۔ اگر بچ گئے تو مال ہاتھ آیا۔ اگر پکڑے گئے۔ تو دو سال مفت روٹی ملی۔ فاقہ سے تو بچیں گے۔ اس لیے ملک میں جرم کی رفتار بڑھتی جا رہی ہے۔ اگر چار ہاتھ کٹ جائیں تو انشاء اللہ چوری کا خاتمہ ہو جائے۔

س۔ اسلام نے جرمانہ کی سزا کیوں نہ رکھی؟

ج۔ اس لیے کہ اس سے جرم بہت زیادہ ہوں گے۔ جرائم پیشہ طبقہ اکثر غریب ہے۔ جن سے جرمانہ وصول نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا وہ جرم پر دلیر ہوں گے کہ حکومت ہم سے کیا لے گی۔ رہا امیر طبقہ وہ بھی جرم پر دلیر ہوگا۔ اس خیال سے کہ جرم کر لو۔ روپیہ بھر دیں گے۔ پھر حکومت بھی جرائم کی زیادتی چاہے گی۔ کیونکہ جرم حکومت کے لیے ذریعہ آمدنی ہوں گے۔ اپنی آمدنی کسے بری لگتی ہے۔ غرضیکہ اسلام کا مقصود بدمعاشی مٹانا ہے نہ کہ بدمعاشیوں سے کمانا۔

س۔ قابیل سے ہابیل کا قصاص کیوں نہ لیا گیا۔ وہ بعد قتل اپنی بہن اقلیما کو عدن میں لے بھاگا جس سے اس کی اولاد ہوئی اس نے بڑے گناہ کیے اور وہ اپنی موت مرا۔ اسے پہلے ہی کیوں نہ مار دیا گیا؟

ج۔ تین وجہ سے۔ ایک یہ کہ اس وقت تک قصاص کے احکام نہ آئے تھے۔ دوسرے اس لیے کہ

آدم علیہ السلام کو قتل کی شرعی گواہی نہ مل سکی تیسرے اس لیے کہ آدم علیہ السلام مقتول ہابیل کے ولی تھے اور مقتول کے ولی کو معافی کا حق ہے۔

س ۔ قابیل نے ہابیل کو ناحق قتل کیا۔ اسے سخت مجرم قرار دیا گیا۔ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۔ بلکہ دنیا کے سارے قتلوں میں اسے شریک سمجھا گیا۔ کنعان نے نوح علیہ السلام کی مخالفت کی۔ تو اسے کافر قرار دیا گیا۔ مگر برادرانِ حضرت یوسف ؑ نے اتنے بڑے جرم کیے۔ ان کو پھر بھی بعض نے نبی مانا اور صحابی یا ولی تو سب ہی مانتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں تاروں کی شکل میں دیکھا۔ جرم یکساں مگر نتیجہ میں فرق کیوں ہے؟

ج ۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ قابیل نے عورت کے عشق میں قتل کیا۔ اور کنعان نے کفار کی محبت میں پیغمبر کو ناراض کیا۔ ان کے جرموں کی بنیاد ناجائز پر تھی۔ مگر یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ سب کچھ یعقوب علیہ السلام کی محبّت اور ان کا نورِ نظر بننے کے لالچ میں کیا کہ اگر یوسف علیہ السلام نہ ہوں تو ہم ان کے محبوب بیٹے ہوں گے۔ انہوں نے جرم کیے۔ مگر بنا جرم پیغمبر کی محبّت تھی۔ لہٰذا فرق ہوا کہ انہیں توبہ نصیب ہوگئی دوسرے یہ کہ ان برادران نے یعقوب و یوسف علیہما السلام سے معافیاں حاصل کرلیں۔ وہ دونوں یہ نہ کر سکے۔

س ۔ مرتد کو قتل کیوں کیا جاتا ہے۔ مذہب کی آزادی چاہیے؟

ج ۔ اس لیے کہ مرتد ربّانی حکومت کا باغی ہے کہ رب کی وفادار رعایا بن کر پھر گیا اور کافر اصلی رعایا بنتا ہی نہیں۔ جب ان جھوٹی حکومتوں کا باغی قتل کا مستحق ہے تو حقیقی سلطنت کا باغی بھی قتل کا مستحق ہونا چاہیے۔ اسلام نے دینی آزادی دی ہے۔ کسی کافر کو اسلام پر مجبور نہ کیا۔ کروڑہا کافروں کو سلاطینِ اسلامیہ نے حفاظت میں رکھا۔

س ۔ کیا اُستاد سے شاگرد کا بدلہ لیا جائے گا؟

ج ۔ اگر شاگرد کو قتل یا زخمی کر دیا ہے تو ضرور بدلہ لیا جائے گا۔ کسی قصور پر چپت مار دینے یا قمچی لگانے کا بدلہ نہ ہوگا۔ ہاں ضروری یہ ہے کہ بقدرِ جرم سزا دے زیادہ نہ مارے (شامی)

س ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر ایک صحابی سے کیوں فرمایا کہ مجھ سے اپنا بدلہ لے لے۔ قریب وفات شریف لوگوں سے کیوں فرمایا کہ مجھ سے اپنا بدلہ لے لو۔ نبی کا حق استاد سے

کہیں زیادہ ہے۔

ج ۔ امت کی تعلیم کے لیے کہ جب ہم پیغمبر ہو کر اتنی احتیاط فرماتے ہیں۔ تو تم کو بہت زیادہ احتیاط چاہیے۔ نیز اس اندیشہ سے کہ مبادا سزا قصور سے زیادہ دی گئی ہو۔

طریقت

س ۔ شریعت کو شریعت کیوں کہتے ہیں۔ اور طریقت کا نام طریقت کیوں ہے ؟

ج ۔ شریعت شرع سے بنا بمعنی چوڑا اور سیدھا راستہ۔ رب فرماتا ہے۔ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا طریقت طریق سے بنا بمعنی تنگ اور پیچیدہ راستہ اس سے ہے [illegible] شریعت اسلام کا وہ راستہ ہے۔ جس پر ہر شخص آنکھ بند کر کے چل سکے۔ طریقت اسرار کے وہ پیچیدہ اور تنگ گلی کوچے ہیں جو واقف کے سوا دوسرا نہ طے کر سکے۔ شریعت میں آسانی ہے۔ مگر کامیابی دیر میں۔ طریقت مشکل ہے۔ مگر بہت جلد مقصود تک پہنچاتی ہے۔ گلیوں کے ذریعہ جلد پہنچنا ہوتا ہے۔

س ۔ شریعت و طریقت میں کیا فرق ہے ؟

ج ۔ جسم پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا نام شریعت ہے۔ اور قلب پاک کے احوال کا نام طریقت سر پاک کے احوال کا نام حقیقت ہے۔ روح پاک کے حالات کا نام معرفت ہے۔ غرضیکہ ذات پاک مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان چاروں کا مرکز ہے۔ ان کا جسم پاک شریعت کا مرکز قلب شریف طریقت کا۔

س ۔ شریعت و طریقت کا آپس میں کیا تعلق ہے ؟

ج ۔ شریعت پوست ہے۔ طریقت مغز۔ پوست بغیر مغز بے قیمت ہے اور مغز پوست غیر محفوظ ہے۔ بادام کے چھلکے جب مغز سے جدا ہو جائیں تو ان کی قیمت کچھ نہیں۔ اسی طرح مغز بادام پوست سے علیحدہ ہو کر ہر جانور کی غذا ہے۔ شیطان کی عبادت پوست بے مغز تھی لہٰذا

کوئی قیمت نہ ہوئی۔ جاہل صوفی کی ریاضتیں مغز بے پوست ہیں۔ لہٰذا ہر دم خطرہ میں ہیں۔ اور وہ مسخرہ شیطان ہے۔ طریقت گویا حقیقت ہے اور شریعت گویا مجاز۔ طریقت سمندر ہے۔ شریعت جہاز۔ جو کہے کہ اب دُنیا میں ولی کوئی نہیں۔ وہ جھوٹا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ مجاز رہے حقیقت نہ رہے۔ شریعت درخت ہے۔ طریقت اس کا پھل پھول شریعت راستہ ہے۔ طریقت منزل مقصود۔ شریعت مضبوط قلعہ ہے۔ طریقت اس قلعہ کا محفوظ خزانہ شریعت غازی کا جھنڈا ہے اور طریقت سراپردہ۔

س۔ پیر کی کیا ضرورت ہے۔ کیا ہدایت کے لیے پیغمبر کافی نہیں؟

ج۔ جیسے خدا تک پہنچنے کے لیے پیغمبر کی ضرورت ہے ایسے ہی رسول تک پہنچنے کے لیے پیر کی حاجت ہے۔ جیسے کتے کے گلے میں کسی مرشد کا پٹہ چاہیے۔ نفس کتا ہے۔ اسے آزاد نہ رہنے دو۔ اس کے گلے میں زنجیر ڈال کر کسی کے حوالہ کر دو زنجیر میں کڑیاں ہوتی ہیں۔ آخری کڑی پٹہ میں پہلی کڑی مالک کے ہاتھ میں۔ شجرۂ مشائخ اس زنجیر کی کڑیاں ہیں جسکی پہلی کڑی حضور علیہ السلام کے ہاتھ مبارک میں ہے۔ آخری کڑی ہمارے نفس کے گلے میں، جو کوئی شمع سے دور ہو اسے چاہیے کہ ایسے آئینوں کے سامنے بیٹھے جس سے نور چھن کر آرہا ہے مشائخ کے سینے شفاف آئینے ہیں اور جمال پاک مصطفےٰ شمع۔ جو کوئی بارش نہ پائے۔ وہ تالاب سے پانی لے حضور رحمت کی بارش ہیں اور مرشد تالاب۔ اپنی ایمان کی کھیتیاں ان سے سیراب کرو۔ مشائخ خاص مصیبت میں کام آتے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کنعان میں تھے۔ یہاں مصر میں زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو کمرے میں بند کر کے بلایا۔ یعقوب علیہ السلام نے اس بند کمرے میں پہنچ کر یوسف علیہ السلام کو ارادہ گناہ سے روکا۔ نجم الدین نے امام رازی کی موت کے وقت امداد کی۔ رب فرماتا ہے۔ يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ قیامت میں ہم سب کو امام کے ساتھ بلائیں گے۔ اگر پیر نہ ہو تو کس کے ساتھ اُٹھو گے۔ قلب کا تعلق باقی جسم سے رگوں کے ذریعہ سے ہے۔ حضور عالم کے قلب میں عالم جسم پیران عظام گویا رگیں پاور ہاؤس کا تعلق تمام شہر سے بذریعہ بجلی کے تار کے ہوتا ہے حضور علیہ السلام نور کے پاور ہاؤس ہیں، ساری دنیا آباد شہر پیران عظام گویا بجلی کی تاریں۔

علماء کرام ان تاروں کے کھمبے۔ آتشی شیشے کے ذریعے آفتاب کی شعاعیں کپڑے کو جلا دیتی ہیں۔ ہمارے دل کپڑا ہیں۔ حضور آفتاب۔ مرشد کامل آتشی شیشہ۔ اگر یہ واسطہ موجود نہ ہو۔ تو عشق کی جلن نہ پیدا ہوگی۔

س۔ صحابہ کرام کسی کے بیعت و مرید تھے یا نہیں؟

ج۔ صحابہ کرام نے بہت سی بیعتیں کیں۔ اولاً اسلام لاتے وقت حضور سے بیعت کی۔ پھر خاص معاہدوں کے لیے بیعت کی جیسے حدیبیہ میں بیعت الرضوان رب فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ۔ پھر خلفاء راشدین کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ لہذا وہ حضرات مرید تھے۔ بے پیر تو بے نورا ہوتا ہے۔

س۔ کیا ایک بیعت کافی نہیں انہوں نے چند بیعتیں کیوں کیں؟

ج۔ بیعت چند قسم کی ہوتی ہے۔ ان کی پہلی بیعت حضور کے ہاتھ شریف پر بیعت اسلام تھی پھر خاص موقعوں پر بیعت خاصہ ہوئیں۔ پھر خلفاء راشدین کے ہاتھ پر بیعت دو بیعتوں پر مشتمل تھی بیعت سلطنت۔ اور بیعت طریقت۔ خلفاء راشدین کے زمانہ تک ہر سلطان شیخ بھی ہوتا تھا۔ کیوں کہ ان کی خلافت خلافت راشدہ تھی۔ ان کے بعد سلاطین اس پائے کے نہ رہے لہذا ان سے صرف سلطنت کی وفاداری کی بیعت کی گئی جسے آج حلف وفاداری کہتے ہیں۔ اور مشائخ سے بیعت طریقت ہوئیں۔

س۔ مرید کے معنی کیا ہیں اور یہ کس لفظ سے بنا ہے۔ اسے بیعت کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ یہ لفظ ارادہ سے بنا۔ بمعنی قصد کرنا۔ اس کا ماخذ یہ آیت ہے۔ یُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَائِزُوْنَ۔ لہذا مرید کے معنے ہوئے ارادہ کرنے والا۔ چونکہ مرید اللہ کی رضا کا طالب ہو کر شیخ کے پاس جاتا ہے۔ لہذا اُسے مرید کہتے ہیں۔ بیعت بیع سے بنا بمعنی بیچنا۔ چونکہ مرید شیخ کے ہاتھ پر بک جاتا ہے لہذا اس سے بیعت ہو گیا۔

س۔ مُرید بننے کا مقصد کیا ہے۔ اور مُرید ہوتے وقت پیر کے ہاتھ میں ہاتھ کیوں دیتے ہیں؟

ج۔ اللہ سے عہد کرنا کہ مولیٰ میں تیرا بندۂ فرمانبردار رہوں گا۔ مگر چونکہ اللہ تک ہماری رسائی نہیں تو اس کے کسی نیک بندے کے ہاتھ پر یہ عہد کرتے ہیں۔ جیسے جب خدا کو سجدہ کرنا ہو۔

تو کعبہ کو سامنے رکھ کر سجدہ کر لیتے ہیں۔ کعبہ قبلہ نماز ہے۔ پیر قبلۂ عہد و پیمان بادشاہ کے گورنر وزراء سے حلف وفاداری لیتے ہیں۔ سامنے گورنر ہوتا ہے۔ مگر حلف سلطان کے لیے ایسے ہی سامنے شیخ ہوتا ہے مگر حلف اور عہد رب سے۔ اس لیے رب نے فرمایا۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ چونکہ عہد کے وقت ہاتھ بھی ملاتے ہیں کہ آؤ ہاتھ ملا لو۔ اس لیے بیعت کرتے وقت شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں۔

س۔ طریقت کے سلسلے صرف چار ہیں۔ کم و بیش کیوں نہیں؟

ج۔ یہ قدرتی بات ہے۔ رب کو چار کا عدد بہت پیارا ہے۔ بڑے فرشتے چار جبرئیل میکائیل، اسرافیل عزرائیل علیہم السلام۔ آسمانی کتابیں چار۔ انبیاء مرسلین چار۔ شریعت کے سلسلے چار حنفی شافعی مالکی، حنبلی بلکہ انسان کے خمیر میں چیزیں چار آگ، پانی، ہوا، مٹی۔ حضور کے یار چار لہٰذا طریقت کے بھی سلسلے چار۔ ایک عمارت میں زاویہ قائمے چار ہی ہو سکتے ہیں۔ اگر کم و بیش ہو جائے تو حادے یا منفرجے ہو جائیں گے۔ عمارت اسلام میں شریعت و طریقت کے سب زاویہ قائمے ہیں۔ لہٰذا چار چار ہونے چاہئیں۔

س۔ صوفیاء کرام قرآن سے دم درود کیوں کرتے ہیں۔ اس سے تعویذ کیوں لکھتے ہیں۔ قرآن کا نزول احکام کے لیے ہے نہ کہ طبابت کے لیے۔

ج۔ نزول قرآن صرف احکام کے لیے نہیں۔ اس سے بہت فائدے ہیں۔ ثواب تلاوت، نماز میں قرأت۔ کھانے پر بسم اللہ پڑھنا۔ چھینک وغیرہ پر الحمد للہ پڑھنا احکام شرعیہ جاری کرنا۔ غافل دل کو زندہ کرنا۔ تعویذ اور دعاؤں میں استعمال کرنا رب فرماتا ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔ قرآن شفا بھی ہے اور رحمت بھی۔ اگر قرآن صرف احکام کے لیے ہوتا تو اس میں منسوخ اور ذات و صفات کی آیات نہ ہوتیں صرف احکام کی آیتیں ہوتیں۔ جب ہم ظاہری اعضاء اور عبادات اور دنیاوی چیزوں سے صدہا فائدے حاصل کر لیتے ہیں۔ تو کیا کلام ربانی ان چیزوں سے بھی کم ہے۔ ایک بجلی سے روشنی۔ ہوا، خبر رسانی ریڈیو، تار۔ ٹرینوں کی رفتار، مشینوں کی حرکت غرضیکہ صدہا فائدے حاصل کرتے ہیں۔ اب بجلی سے علاج بھی ہو رہے ہیں۔ جب بجلی جو کہ نار ہے۔ اس کے اتنے فائدے ہیں۔ تو قرآن جو نور ہے

اس کے کتنے فائدے ہونے چاہئیں۔

س۔ منہ کی سانس طبی قاعدے سے زہریلی ہوتی ہے۔ اس سے پانی پر دم کرنا بیماری کا باعث ہوگا؟

ج۔ آپ نے اتنا مان لیا کہ جو باہر کی ہوا جسم کے اندرونی حصہ سے مل کر آئے اس میں بیمار کرنے کی تاثیر ہو جاتی ہے اتنا اور مان لو کہ جو ہوا اس زبان سے مل کر آئے۔ جس نے ابھی قرآن پڑھا ہے اس میں تندرست کرنے کی تاثیر ہو جاتی ہے۔

س۔ جب قرآنی آیتیں نور اور شفا ہیں تو چاہیے کہ ہر شخص ان پر عمل کر لیا کرے۔ اعمال و وظائف میں اجازت کی اور علم دین میں دستار بندی و سند کی شرط کیوں ہے۔ عمل آگ کی تاثیر رکھتا ہے۔ آگ کا جلانا اجازت پر موقوف نہیں۔

ج۔ اعمال و وظائف اور علم میں دو نور ہیں۔ ایک تو الفاظ کا دوسرے عامل یا عالم کے زبان کا الفاظ کا نور ثواب ہے اور عامل کا اثر فتح باب اجازت سے فتح باب ہوتا ہے۔ یہ اثر سینۂ پاک مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پاک سینوں کے ذریعہ ایسا پہنچتا ہے۔ جیسے شیشوں سے چھن کر نور شمع۔ تلوار میں دھار اور وار دونوں ضروری ہیں۔ بغیر وار سیکھے ہوئے دھار بیکار ہے۔ اس وار کے لیے اجازت شیخ کی ضرورت ہے نہ کہ دھار کے لیے۔

س۔ جب قرآن و حدیث نور اور شفا ہیں تو شیخ کی بیعت استاد کی شاگردی اماموں کی تقلید سب بیکار ہیں

ج۔ دوا کی شفا طبیب کی تجویز سے ظاہر ہوتی ہے۔ طبیب نبض دیکھنے اور بیماری پہچاننے دوا تجویز کرنے کی بڑی فیس لے لیتے ہیں۔ ایسے ہی مشائخ عظام دل کی بیماری کے طبیب ہیں۔ قرآن و حدیث دوائیں ہیں اور محدثین و مفسرین گویا روحانی عطار ہیں۔ ان کے پاس احادیث و آیات ایسی ہیں۔ جیسے عطار کی دوکان میں صاف ستھری بہترین دوائیں۔ اس کی دوکان میں ہے سب کچھ مگر طبیب کی تجویز کے بغیر مریض کو مفید نہیں۔

س۔ تعویذ کیوں لکھے جاتے ہیں۔ ان سے کیا فائدہ ہے؟

ج۔ جیسے بعض مخلوق کے ناموں میں تاثیر ہے کہ کسی کو اُلّو گدھا کہہ دو۔ تو وہ رنجیدہ ہو جاتا ہے اور حضرت قبلہ و کعبہ کہہ دو تو خوش ہوتا ہے۔ حالانکہ اُلّو گدھا بھی مخلوق ہیں اور قبلہ و کعبہ بھی ایسے ہی خالق کے مختلف ناموں میں مختلف تاثیریں ہیں۔ شافی میں شفا کی غفار میں بخشش

کی پھر خواہ یہ اسماء الٰہیہ لکھ کر پاس رکھو یا پڑھ کر دم کرو۔ ضرور اثر کریں گے۔ اگر پیاز کی گانٹھ پاس ہو تو لو اثر نہیں کرتی۔ ایسے ہی رب کا نام ساتھ ہو تو بلائیں اثر نہیں کرتیں۔ نیز ہم پر گناہوں کی شامت سے آتی ہیں۔ اور رب کے نام گناہ دُور کرتے ہیں۔ جیسے پانی نجاست کو لہٰذا ان سے شفا ہوتی۔

س ۔ پھر دم درود سے کیا فائدہ ہے؟

ج ۔ جیسے اگر ہوا چمن سے گزر کر آوے تو دماغ کو معطر کر دیتی ہے۔ گھورے سے آوے تو دماغ سڑا دیتی ہے۔ آگ سے لگ کر نکلے تو جھلسا دیتی ہے۔ برف سے مس ہو کر آوے تو ٹھنڈک پہنچاتی ہے کوہ مری کی ہوا تپ والوں کو شفا دیتی ہے۔ کیونکہ چیڑ کے درخت سے ٹکرا کر مریض کو لگتی ہے۔ ایسے ہی جس زبان سے ذکر اللہ کیا گیا ہو۔ اُس سے چھو کر جو ہوا نکلے وہ بیمار کو شفا دے گی۔ صحابہ کرام حضور کے بال شریف لباس شریف دھو کر بیماروں کو پلاتے تھے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیماروں کے لیے پانی میں اپنی انگلیاں شریف ڈبو دیا کرتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام دم کے ذریعہ مردے زندہ کر دیتے تھے۔ کیونکہ وہ خود حضرت جبریل کے دم سے پیدا ہوئے تھے اور جبریل روح الامین ہیں۔

س ۔ پھر چاہیے کہ ہم خود قرآن پڑھ کر دم کر لیا کریں یا لکھ کر باندھ لیا کریں۔ پیروں سے کیوں کراتے ہیں؟

ج ۔ آیات قرآنیہ مثل کارتوس کے ہیں اور نیک بندوں کی زبانیں رائفل کارتوس سے جب ہی شکار ہو سکتا ہے۔ جب رائفل سے استعمال کیا جائے۔ ہماری زبانیں اس درجہ کی نہیں۔

س ۔ پیروں کے وظیفے مختلف کیوں ہیں۔ کوئی زور سے ذکر کراتا ہے۔ کوئی مراقبہ۔ جب ذکر ایک ہے۔ تو یہ اختلاف کیا؟

ج ۔ جیسے ڈاکٹر اور یونانی طبیب مریضوں کا علاج انہی جڑی بوٹیوں سے کرتے ہیں مگر مختلف طریقوں سے۔ پھر یونانی طبیبوں میں لکھنوی اطباء کا طریقہ علاج اور ہے۔ دہلویوں کا کچھ اور۔ حالانکہ دوائیں بھی ایک ہی ہیں اور سب بو علی سینا کے ہی متبع ہیں۔ ایسے ہی یہ اطبائے ایمان۔ اگرچہ حضور ہی کے نام لیوا ہیں۔ اور قرآن و حدیث کی دُعاؤں سے علاج کرتے

ہیں۔ مگر طریقہ علاج جداگانہ ہیں اور سب درست ہیں۔

س ۔ صوفیہ چلّے کیوں کراتے ہیں۔ اس سے کیا فائدہ ہے ؟

ج ۔ نفس کشی اور دل کی صفائی کے لیے تنہائی اور ذکرالٰہی بہت ہی مفید ہیں۔ آئینۂ دل کے لیے صحبت اغیار ایسی ہے۔ جیسے شیشہ کے لیے گرد و غبار اور دنیاوی الجھنیں ایسی ہیں جیسے لوہے کے لیے زمین یا پانی۔ جس سے زنگ آجاتی ہے۔ چلوں میں ان چیزوں سے علیحدگی ہے۔ لہٰذا قلب کی صفائی حاصل ہوگی۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت دینے کے لیے طور پر بلایا تو ان سے چالیس دن کا چلّہ کرایا۔ فرماتا ہے۔ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰىٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نبوّت سے قبل ۶ ماہ غار حرا میں چلے گئے۔

س ۔ تو چلوں کے لیے چالیس دن ہی کیوں مقرر ہیں ؟

ج ۔ روحانی اور جسمانی ترقیوں کے لیے چالیس کا عدد مانا ہوا ہے۔ آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال تک خشک کیا گیا۔ بچہ ماں کے شکم میں چالیس دن نطفہ پھر چالیس دن بستہ خون پھر چالیس دن تک پارہ گوشت رہتا ہے۔ پیدائش کے بعد ماں کو چالیس دن تک حیض آسکتا ہے۔ چالیس سال کی عمر میں عقل پختہ ہوتی ہے۔ اسی لیے اکثر پیغمبروں کو نبوت اس عمر میں عطا ہوئی اس لیے چلّے کے لیے چالیس دن مقرر ہوئے۔

س ۔ صوفیا کا عرس کیوں ہوتا ہے ؟

ج ۔ شریعت میں نمازوں۔ حج اور زیارت مدینہ منورہ کے ذریعہ مسلمانوں کو جمع ہونے کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ تاکہ تعلقات قائم ہوں۔ ایسے ہی اہل طریقت کو جمع کرنے کے لیے عرس مقرر کیے گئے ہیں۔ جس میں ایک پیر کے مریدین آپس میں ایک دوسرے سے مل کر تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں نیز عام مومنین کو عرس کے ذریعہ تلاش پیر کا اچھا موقعہ مل جاتا ہے۔ کہ ایک جگہ ہزار ہا اہل دل جمع ہو جاتے ہیں۔ علماء کو مدارس کے سالانہ جلسوں کانفرنسوں کے ذریعے جمع کیا جاتا ہے۔ یہ عرس صوفیا کی کانفرنسیں ہیں۔ اس کی اصل حدیث شریف سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سال میں ایک بار شہدا اُحد کی زیارت فرماتے تھے۔

س ۔ اسے عرس کیوں کہتے ہیں ؟

ج ۔ اس لیے کہ عرس کے معنی ہیں شادی۔ اس لیے دولہا کو عروس کہا جاتا ہے۔ بزرگوں کی وفات اپنے پیارے مولیٰ اپنے محبوب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا ذریعہ ہے لہٰذا وہ ان کی شادی کا دن ہے۔ نیز نکیرین امتحان میں کامیاب پا کر ان سے عرض کرتے ہیں نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ ۔ اے اللہ کے بندے دولہا کی طرح سو جا۔ لہٰذا ان کی وفات کا دن روز عرس کہلایا۔

س ۔ بعض عرسوں میں قوالی ہوتی ہے۔ اور بعض میں نہیں۔ قوالی تو بری چیز ہے یہ کیوں ہوتی ہے۔ حضور نے گانے بجانے سے منع فرمایا۔

ج ۔ گانا برائے رونا اور رونا برائے گانا۔ قوالی ایک درد کی دوا ہے۔ جسے درد ہو وہ استعمال کرے۔ دوسرا اس سے علیحدہ رہے۔ جن گانوں سے منع کیا گیا۔ وہ مخرب اخلاق واہیات گانے بجانے ہیں۔ گانے والے سننے والے سب اہل درد چاہئیں۔

س ۔ قوالی وغیرہ میں وجد اور رقص کیوں کرتے ہیں۔ جسم کیوں ہلاتے ہیں ؟

ج ۔ پیارے کا ذکر وجد شوق سے سننا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی تلاوت میں ایسی جنبش فرمایا کرتے تھے۔ جیسے نسیم سحری سے نرم شاخیں۔ تلاوت کرنے والا ذکر محبوب سننے والا گویا اسلام کے چمن کا درخت ہے اور ذکر پاک مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام گویا رحمت کی ٹھنڈی ہوا صحیح طریق سے ثابت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قصیدہ بردہ کے بعض اشعار پر جنبش فرمائی۔ انہیں اشعار مالکہ کہتے ہیں۔ اب بھی حکم ہے کہ اسی قصیدہ کے وہ اشعار ملکر پڑھنے چاہئیں۔ سارا قرآن وجد کی سی حالت پیدا کر کے ہل کر پڑھنا چاہیے رب فرماتا ہے۔ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۔ ہمارے کلام سے خائفین کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور رسول کے ذکر پر جانوروں پتھروں بلکہ لکڑیوں کو وجد ہوا ہے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام تو دیدار یار کے وجد میں بیہوش ہو کر گر بھی گئے۔ پہاڑ پھٹ گیا۔ فَجَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۔ رب فرماتا ہے کہ اگر ہم پہاڑ پر قرآن اتارتے تو وہ خوف الٰہی سے پھٹ جاتا۔

س ۔ تو چاہیے کہ سب بزرگ قوالی سنا کریں۔ وجد کیا کریں۔ حالانکہ بعض صوفیا اس سے پرہیز کرتے

ہیں۔

ج۔ بعض بزرگوں پر اطاعت و فرمانبرداری کا غلبہ ہے اور بعض پر عشق و محبت کا پہلی قسم کے حضرات اس سے بچتے ہیں۔ دوسرے گھنتے ہی اولیا صحابہ کے اور صحابہ انبیاء کرام کے نقش قدم پر ہیں بعض صحابہ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ عشق کا غلبہ ایسے ہی انبیاء کرام ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام پر عشق کا ظہور زیادہ۔ عیسیٰ علیہ السلام تارک الدنیا۔ سلیمان علیہ السلام صاحب تخت و تاج ہمارے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جامع جمیع صفات ہیں۔ اس وجہ سے یہ اختلاف ہے۔

س۔ بعض لوگ خلاف شرع کام کرتے ہیں، اور لوگ انہیں بزرگ مانتے ہیں۔ یہ کس حد تک درست ہے۔ کیا بے نمازی ولی ہو سکتا ہے۔

ج۔ بعض صوفی عقل و خرد کھو بیٹھتے ہیں۔ جنہیں مجذوب کہا جاتا ہے۔ ان پر بہت سے شرعی احکام جیسے نماز و روزہ وغیرہ جاری نہیں ہوتے۔ حضور فرماتے ہیں کہ تین شخصوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے بچہ۔ دیوانہ۔ مجنون۔ ایسے لوگ اللہ کے پیارے ہیں۔ ان پر اعتراض نہ کرو۔ مگر جس کے ہوش و حواس درست ہوں۔ پھر خلاف شرع اعمال کرے وہ صوفی نہیں شیطان ہے جب انبیاء کرام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر احکام شرع جاری رہے۔ تو دوسرا کس شمار میں ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ ہر دیوانہ مجذوب نہیں۔

س۔ بعض مشہور بزرگوں سے خلاف شرع باتیں صادر ہوتی ہیں۔ کسی نے کہا انا الحق۔ کسی نے کہا سبحانی ما اعظم شانی۔ تعجب ہے کہ فرعون نے دعویٰ خدائی کیا تو کافر ہوا۔ منصور دعویٰ خدائی کر کے مومن رہے یہ ہو سکتا ہے؟

ج۔ ان بزرگوں سے ایسے کلمات بے خودی اور غشی عشق میں نکلتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان پر شرعی احکام یعنی فتویٰ کفر صادر نہیں ہو سکتے اس وقت زبان ان کی تھی۔ اور کلام رب کا۔ جیسے فوٹوگراف کا ریکارڈ یا ریڈیو کی پٹی کہ یہ خود نہیں بولتی۔ آواز ان میں سے نکل رہی ہے۔ مگر بولنے والا کوئی اور ہے۔ طور سینا کے درخت سے آواز آ رہی تھی۔ یَا مُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ۔ اے موسیٰ میں اللہ ہوں یہ کلام رب کا تھا۔ درخت اس کا مظہر کیا۔ وہ درخت کافر ہو گیا۔ ہرگز نہیں۔ ایسے ہی یہ حضرات

ہیں. فرعون کا یہ حال نہ تھا۔

چوں روا باشد انا اللہ از درخت
کے روا نہ بود کہ گوید نیک بخت

س۔ بعض صوفیائے کرام وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ یہ کہاں تک درست ہے۔ کہ سارا جہان خدا ہے۔ معاذاللہ ایک شخص کہتا ہے۔ ہم تم ہیں۔ خدا ہر در و دیوار خدا ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا مومن کیسے ہو سکتا ہے۔ ہندو دو خدا مانے تو مشرک یہ اٹھارہ ہزار عالم کو خدا مانیں اور مومن رہیں۔

ج۔ وحدت الوجود کے معنی یہ نہیں کہ ہر چیز خدا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کچھ نہیں۔ پہلی بات کفر ہے۔ نہ کہ دوسری وہ یہ فرماتے ہیں۔ مصرع۔ ہمہ نیست اند آنچہ ہستی توئی مختصراً یوں سمجھو کہ دیوار کا سایہ دیوار سے علیحدہ مستقل وجود نہیں رکھتا۔ آئینہ خانہ میں کوئی شمع جلائے تو ہزاروں مختلف آئینوں میں نظر آئیں گی۔ شمع چند نہیں۔ بلکہ اس کے عکس چند ہیں جن کا غیر مستقل وجود اس ایک مستقل شمع سے وابستہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایسے ہی عالم کی چیزیں خود مستقل کچھ نہیں یہ رب کے جلوے ہیں جن کا وجود محض اعتباری ہے اصل وجود وہی معبود ہیں۔

وہ کہتے ہیں لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا ھُوَ۔ یہ فقط سمجھانے کے لیے کہا گیا ورنہ ان کے نزدیک وہ آئے بھی اعتباری اور اعتبار بھی اعتباری ہے۔ واقفیت رب کے سوا کسی میں نہیں۔ اس کے سوا کچھ عرض کرنے کی گنجائش نہیں۔

س۔ بعض مریدین اپنے پیر کے سوا کسی بزرگ کو نہیں مانتے ہر وقت اپنے پیر کا ہی ذکر کرتے ہیں۔ دوسرے ذکر کو پسند نہیں کرتے۔ کیا یہ درست ہے؟

ج۔ ماننا اور بات ہے اور کسی کا ہر وقت تذکرہ کرنا اور بات۔ ہر مرید سارے بزرگوں کو مانتا ہے مگر ہر دم اپنے شیخ کا اس لیے دم بھرتا ہے کہ اسے روحانی نعمتیں اسی سے ملی ہیں۔ کتا اپنے مالک کے پیچھے ہی دم ہلاتا ہے۔ کیوں کہ اس کے ہاتھ سے ٹکڑے کھاتا ہے۔ شاگرد اپنے ہی اُستاد کے گن گاتا ہے۔ مگر ماننا سارے علماء کو ہے۔ اگر کوئی بدبخت مرید دوسرے

بزرگوں کا منکر ہو تو وہ اس شیخ کے فیض سے بھی محروم رہے گا بسلسلہ مشائخ جاں کے پیوند رے ہیں۔ ایک کھل گیا سب کھل گئے۔ کسی نبی کا منکر شرعی کافر ہے۔ کسی ولی منکر طریقت کا مجرم ہے۔ خاکپائے غوث اعظم زیر سایہ ہر ولی

س۔ بعض لوگ کسی بزرگ کے جنگل میں شکار نہیں کرتے یا وہاں کے کسی جانور کو نہیں مارتے مخدوم سید اشرف جہانگیر کچھوچھوی قدس سرہٗ کے تالاب کی مچھلیاں کوئی نہیں پکڑتا کیا وہ جانور حرام ہیں یا شکار حرام ہے۔ اور مسلمانوں کا یہ فعل خلاف ایمان ہے یا نہیں۔

ج۔ نہ یہ جانور حرام ہیں۔ نہ ان کا شکار وہ سب حلال ہیں۔ ان کے شکار سے بچنا حرمت کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ نقصان سے بچنے کے لیے ہے۔ جیسے بلغمی مزاج کا آدمی دہی اور لسی سے بچتا ہے۔ یا ہر شخص کھاری پانی سے کہ یہ چیزیں حرام نہیں مضر ہیں۔ بعض بزرگوں کے جنگلوں کے جانور کے شکار سے لوگوں نے نقصان اٹھایا۔ تجربہ کر کے شکار چھوڑ دیا اطباء بعض زمین کی بعض چیزوں سے بھی پرہیز کراتے ہیں۔ اس کی اصل یہ ہے کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کہ وہ حرام نہ تھی۔ مگر اس کا تکلیف دینا تکلیف دہ ثابت ہوا اس لیے اس سے منع کر دیا گیا۔ ورنہ اونٹ حلال ہے۔ گذشتہ پیغمبروں کی قربانیاں کہ ان کا گوشت کوئی نہ کھا سکتا تھا۔ حضور علیہ السّلام قوم صالح کے کنوئیں پر ایک سفر میں گذرے تو صحابہ کرام کو اس کنوئیں کے پانی سے روک دیا۔ حتیٰ کہ جن لوگوں نے اس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا۔ وہ بھی پھینکوا دیا۔ وہ پانی حرام نہ تھا۔ اس کا استعمال نقصان دہ تھا۔ حرم مدینہ کا شکار احناف کے نزدیک حرام نہیں۔ نہ اس سے جزاء واجب مگر اس سے بچنا لازم ہے۔ حرم مدینہ کے کبوتر کوئی نہیں مارتا کیونکہ یہ فعل نقصان دہ ہوگا۔ حالانکہ کبوتر حلال ہے

س۔ صوفیائے کرام دعاؤں کے اوّل میں اَللّٰھُمَّ کیوں لگاتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ میم کیسی۔ اگر کہا جاوے کہ یہ لفظ اصل میں یا اللہ تھا یا کے بدلے میم لگائی ہے تو بجائے میم کے کوئی اور حرف کیوں نہ لگایا؟

ج۔ اس لیے کہ میم رب ہاکے ۲ ناموں میں آتی ہے۔ جیسے مومن مُھَیمِنُ۔ مَالِكُ

مُلکُ ۔ مُقتَدِرُ۔ کَرِیمُ ۔ رَحِیمُ ۔ حَلِیمُ ۔ رَحمٰنُ ۔ وغیرہ ۔ لہٰذا جو کوئی اللہ کے ساتھ میم لگا کر پکارے گویا اس نے رب کو ایسے ناموں سے یاد کیا اور ہر نام کے اثر مختلف لہٰذا تمام اثرات حاصل ہوئے ۔ اسی لیے حضور کے بہت سے اسماء شریف میں میم آتی ہے ۔ جیسے محمد ۔ احمد ۔ مصطفٰے ۔ مجتبٰے وغیرہ کیونکہ حضور مظہر ذات وصفات الٰہی ہیں لہٰذا اللہ میں اللہ کا نام اور محمد کی میم آ گئی گویا دعا میں حضور علیہ السلام کا وسیلہ بھی حاصل ہو گیا۔

س ۔ صوفیاء کرام توجہ دیا کرتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے ؟

ج ۔ توجہ کے معنی ہیں دھیان دینا ۔ اپنے دل کو کسی طرف لگا دینا ۔ صوفیاء کرام کا دل کامل نورانی ہوتا ہے اور اعلیٰ نور کی خاصیت روشنی بھی ہے اور پاک کرنا یا فیض پہنچانا بھی ۔ دیکھو آفتاب کی نورانی شعاعیں روشنی کے ساتھ گندی زمین کو خشک کر کے پاک بھی کر دیتی ہیں اور کھیتیاں بھی پکاتی ہیں ۔ چاند کی نورانی شعاعیں پھلوں میں دودھ پیدا کرتی ہیں ستاروں کی شعاعیں پھلوں میں لذت اور رنگت بھرتی ہیں ۔ ایسے ہی قلب شیخ کی نورانی کرنیں مرید کے قلب میں صفائی ایمانی قوت وغیرہ پیدا کر دیتی ہیں ۔ مسمریزم والے آنکھ کی شعاعوں کے ذریعہ وزنی چیزیں کھینچ لیتے ہیں ، نگاہ سے شیشے توڑ دیتے ہیں حضور علیہ السلام نے انگلی پاک کی نورانیت سے آسمان پر چاند کے ٹکڑے کر دیئے ۔ ایسے ہی شیخ کی توجہ سے مرید کو وہ فائدہ پہنچتا ہے جو تمام فوائد سے اعلیٰ ہے ۔

س ۔ تصوّر شیخ کیوں کہا جاتا ہے ۔ یہ تو مشرکانہ فعل ہے ؟

ج ۔ تصوّر کے معنی ہی خیال کرنا یا خیال رکھنا ۔ بندے کو چاہیے کہ رب کی قدرت وسلطنت کا خیال رکھے ، تاکہ یہ خیال اسے گناہوں سے روکے ۔ بچہ استاد کو غافل دیکھ کر کھیلتا کودتا ہے ۔ اگر پیچھے سے استاد دیکھ رہا ہے تو برابر پڑھتا ہے ۔ یہ خیال نیکوں کی اصل ہے ۔ خان تکمن تراہ خانہ ہر ایک کا یہ ہی مقصد ہے ۔ مگر انسان بے دیکھی ذات کا خیال نہیں رکھ سکتا ۔ نہ ہم نے رب کو دیکھا ہے نہ رسول کی زیارت کی ۔ مجاز حقیقت کی سیڑھی ہے شیخ کو اس خیال سے دیکھا ہے کہ یہ اللہ و رسول کا پیارا ہے ۔ اس لحاظ سے اگر صورت

شیخ کو دھیان میں رکھا جاوے تو یہ شکل آئینۂ حق نما بن جاوے گی۔ کچھ عرصہ بعد اس سے تصور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوگا۔ پھر رب کی صفات پر دھیان جم جاوے گا جو اصل مقصود ہے

س۔ کیا تصور شیخ کی کچھ اصل ہے بھی یا محض صوفیا کی ایجاد ہے۔

ج۔ اس کی اصل یہ ہے کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور میں رہتے تھے۔ بعض دفعہ روایت کرتے ہوئے فرما دیتے تھے کانی انظر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گویا میں حضور کو اب دیکھ رہا ہوں۔ یہ تصور جمانے کے لیے حلیہ شریف مکمل طور پر بیان کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو سنایا کرتے تھے۔ قبر میں بھی اسی تصور کا امتحان ہوگا۔ کہ آخری سوال یہ ہی ہوگا کہ تم اس کالی زلفوں والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جانتے ہو۔ اسی تصور کی کامیابی پر اس آخری امتحان کی کامیابی موقوف ہے۔

س۔ کیا تصور شیخ یا تصور رسول نماز میں بھی کرنا درست ہے؟

ج۔ شیخ کا تصور نماز میں عمداً نہ لائیے کہ یہ خشوع کے خلاف ہے۔ بلا مقصد آجانے پر پکڑ نہیں مگر تصور رسول نماز میں رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ نماز حضور کی اداؤں کا نام ہے۔ جن کی اداؤں کی نقل کر رہا ہے۔ ان کا خیال بھی ضرور رکھے۔ نیز حضور کا نام شریف نماز میں آتا ہے قرآن کریم میں رسول نبی یا کہ محمد رسول اللہ وغیرہ جگہ جگہ آرہا ہے۔ التحیات میں صاف طور پر نام شریف لے کر سلام عرض کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عین نماز میں حضور کا احترام کیا ہے۔ صدیق اکبر نماز پڑھا رہے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے مقتدیوں نے نماز میں تالی بجا کر حضرت صدیق کو تشریف آوری کی اطلاع دی۔ اسی وقت صدیق اکبر مقتدی ہو کر صف میں تشریف لے آئے اور حضور درمیان نماز سے امام ہوئے (بخاری شریف) یہ تو تصور سے آگے بڑھ گیا۔

س۔ صوفیاء مراقبہ کیوں کراتے ہیں۔ اس سے کیا فائدہ ہے؟

ج۔ مراقبہ رقبہ سے بنا بمعنی گردن جھکانا۔ چونکہ مراقبہ میں گردن جھکائی جاتی ہے۔ لہٰذا اسے مراقبہ کہتے ہیں۔ اس میں دو فائدے ہیں۔ ایک تو سوچنا اور غور کرنا صوفیاء کے نزدیک ایک ساعت کی فکر ایک سال کے اس ذکر سے افضل ہے جو بغیر فکر کے ہو۔ انسان غور و فکر کے وقت

سر جھکالیا کرتا ہے۔ گویا مومن سر جھکا کر رب کی کسی خاص صفت کو سوچتا ہے۔ اس سوچنے کا حکم قرآن پاک میں بھی ہے۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یا اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

دوسرے یہ کہ قلب میں بھی ایک نور ہے اور دماغ میں بھی نور جب دماغ کی فکر کو قلب سے لگایا گیا تو دو نور مل کر نورٌ علیٰ نور ہوا جس سے قلب و دماغ دونوں میں صفائی پیدا ہوئی قلب کے نور نے دماغ کی اور دماغ کے نور نے قلب کی روشنی زیادہ کی کچھ عرصہ بعد اس مراقبہ میں شیخ سارے عالم کو بلکہ خالق عالم کے نور کو پاتا ہے مسمریزم والے نگاہ جمانے کی مشق کر لیتے ہیں تو ان کی نگاہ میں عجیب تاثیریں پیدا ہوتی ہیں۔ تو جو دل پر خیال جمائے وہ کتنی قوتوں کا مالک ہوگا۔ انہی قوتوں کا ذکر قصیدہ غوثیہ میں فرمایا گیا ہے۔

س۔ قرآن کریم نے راسخین فی العلم کی بہت تعریف کی ہے۔ یہ راسخین کون لوگ ہیں اور انہیں راسخین کیوں کہا جاتا ہے۔

ج۔ راسخین فی العلم وہ علماء ہیں۔ جنہیں تصوف کا بھی حصہ ملا ہو راسخ وہ درخت ہے۔ جس کی رگیں بہت سی زمین میں پھیلی ہوں۔ اور وہ مضبوطی سے گڑھا ہو۔ پودا اگرچہ زمین پر کھڑا ہے مگر راسخ نہیں۔ اسی طرح علم کی تین جگہ ہیں۔ دل۔ دماغ۔ زبان۔ زبان سے علم کا بیان دل سے معرفت دماغ سے حفظ ہوتا ہے۔ نیز راسخ دوکان وہ ہے جس میں ترازو اور باٹ ہوں کہ جو کچھ دوکان میں آوے تل کر آوے۔ جو جاوے وزن ہو کر جاوے ایسے ہی راسخ عالم وہ ہے۔ جو اپنے ہر عمل کو علم شریعت سے تول کر کرے۔ یا راسخ عالم وہ جسے علم کے ساتھ عشق بھی ہو۔ یہ ہی عشق والا علم معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اسی کی رب نے تعریف فرمائی ہے۔ بے عشق کا علم حجاب ہے۔ العلم حجاب اکبر۔ بھی کہا گیا ہے۔ کہ بے علم نتوان خدا را شناخت رب نے کہیں فرمایا۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓءُ۔ کہیں فرمایا وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ۔

نوٹ۔ الحمد للہ کہ تصور شیخ کا مضمون لکھنے کے بعد حضرت قاری صوفی غلام نبی صاحب للہ شریف والوں سے میری ملاقات ہوئی۔ انہوں نے خود تذکرہ فرمایا کہ اولاً تصور شیخ میں میرا یہ حال

ہوا کہ مجھ کو نماز میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اپنے شیخ کی پیشانی پر سجدہ کر رہا ہوں۔ کچھ روز بعد وہ مشکل شیخ۔ جمال مصطفیٰ معلوم ہونے لگی۔ پھر ترقی ہوئی۔ تو ہر طرف نورانی جلوہ گر نظر آنے لگا۔ اب بھی مجھے اپنی پیشانی اور آنکھوں میں لفظ اللہ محسوس ہوتا ہے۔ الحمد للہ ایک صاحب حال شیخ الوقت کے بیان سے میرے اس قال کی تصدیق ہوگئی۔ رب تعالیٰ اپنے پیاروں کے طفیل مجھ گنہگار کو یہ حال نصیب کرے۔ آمین۔

س۔ بعض صوفیاء دُنیا کو بُرا کیوں جانتے ہیں۔ اگر دنیا بُری چیز ہے۔ تو رب نے پیدا کیوں فرمائی اور بعض مشائخ دُنیا میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ج۔ ان کی اصطلاح میں دُنیا وہ ہے جو رب سے غافل کر دے۔ ریا کاری کی نماز دُنیا ہے اور رب کی رضا کے لیے تجارت کرنا بھی دین۔ اس کاروبار کو جنہوں نے غفلت کا باعث سمجھا وہ علیحدہ رہے۔ جنہوں نے اسے اختیار کیا وہ اس میں پھنسے نہیں۔ ان کے لیے یہ دنیا نہ بنی۔

س۔ دُنیا کو دُنیا کیوں کہتے ہیں اسکے معنی کیا ہیں۔

ج۔ یہ لفظ یا دنو سے بنا ہے بمعنی قرب۔ چونکہ دنیا قریب الفنا ہے لہٰذا دنیا ہے۔ یا دَنَاءَةٌ سے بنا بمعنی ذلت و خواری۔ چونکہ یہ حقیر و ذلیل ہے۔ لہٰذا دنیا ہے۔ مگر خیال رہے کہ دنیا صفر کی طرح خالی ہے۔ صفر اگر اکیلا ہو۔ تو خالی ہے۔ لیکن اگر کسی عدد سے مل جاوے تو اسے دس گنا کر دیتا ہے۔ ایک کو دس اور دس کو سو بنا دیتا ہے۔ ایسے ہی دنیا صفر آخرت عدد ہے جب آخرت سے ملے۔ تو اسے دس گنا کر دے گی۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا مگر خیال رہے کہ اگر صفر مقتدی کی طرح عدد کی داہنی طرف رہے تو دس گنا کرتا ہے لیکن اگر امام بن کر بائیں طرف لگے تو پھر خالی ہے۔ ایسے ہی اگر آخرت مقصود ہو اور دُنیا تابع تو بہار ہے اور اگر دنیا مقصود بن گئی۔ تو بیکار۔

س۔ پھر دنیاوی احکام میں فرق کیوں ہے؟

ج۔ اس لیے کہ صفر عدد کو دس گنا کرتا ہے۔ جیسا عدد ویسی اس کی زیادتی ہزار کو دس ہزار اور لاکھ کو دس لاکھ بناتا ہے۔ جن حضرات کی آخرت بڑے عدد کی طرح مہتم بالشان ہے۔ ان کی دُنیا بھی اعلیٰ جن کی آخرت معمولی ان کی دُنیا بھی معمولی انبیاء کرام کی دنیا ہماری دُنیا سے اعلےٰ

کیونکہ ان کی آخرت اعلیٰ ہے۔

س۔ دنیا فانی اور آخرت باقی کیوں ہے۔ دونوں کا خالق حی و باقی ہے۔ مخلوق فرق کیوں؟

ج۔ اکثر دنیا میں ہمارے کسب کو دخل ہے اور ہم تو فانی۔ لہٰذا ہمارے کسب بھی فانی۔ آخرت کی چیزیں ہمارے کسب سے نہیں۔ براہ راست رب سے تعلق رکھتی ہیں۔ لہٰذا باقی جیسے گیس اور سورج کے نور۔ لیکن اگر دنیا کو دین سے ملا دو۔ تو پھر ان شاء اللہ یہ بھی فنا سے محفوظ رہے گی پتہ جڑ سے لگا رہے۔ خشک نہ ہوگا۔ لیکن علیحدہ ہوکر فوراً سوکھ جائے گا۔ سمندر کا قطرہ سمندر میں رہ کر نہیں بگڑتا لیکن علیحدہ ہوکر جلد بگڑ جائے گا۔ بگڑنے والے پھل شکر کے قوام میں رکھ دیئے جائیں۔ تو عرصہ تک نہیں بگڑتے۔ بعض چیزوں میں مصالحہ لگا دیا جاوے تو باقی رہتی ہیں۔ اس طرح نفسانی چیزیں قلبی نور سے مل کر باقی ہوجاتی ہیں۔ جیسے مقبول اعمال مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔

عقائد اسلامیہ

س۔ صحیح عقائد کو ایمان کیوں کہتے ہیں۔ ایمان کے معنی کیا ہیں؟

ج۔ ایمان امن سے بنا ہے۔ بمعنی سلامتی۔ چونکہ درستی عقائد آخرت کے عذاب سے امن میں رہنے کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا ان کا نام ایمان ہوا بندہ اس معنی سے مومن ہے کہ وہ اپنے کو عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔ رب باین معنی مومن ہے کہ وہ نیک بندوں کو عذاب سے بچاتا ہے۔

س۔ کافر کو مسلمان کرتے وقت کلمہ کیوں پڑھاتے ہیں۔ عیسائیوں کی طرح بپتسمہ یا آریوں کی طرح کوئی چیز کھلاتے کیوں نہیں؟

ج۔ ایمان علم ہے۔ اور عبادات عمل۔ علم کا درجہ عمل سے پہلے ہے۔ ایمان اللہ رسول کو ماننا ہے۔ عبادات ان کی اطاعت کرنا ہے۔ ماننا اطاعت سے مقدم ہے۔ پہلی تبلیغ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے اولاً یہ ہی سوال فرمایا کہ كَيْفَ اَنَا فِيْكُمْ ۔ بتاؤ میں تم میں کیسا

ہوں، معلوم ہوا کہ معرفت اللہ و رسول مقدم ہے۔ اعمال دنیا میں ہی رہ جاتے ہیں۔ مگر ایمان ساتھ جاتا ہے۔ جنّت میں عمل نہ ہو گا مگر ایمان ہو گا۔

س ۔ کلمہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کو ربّ کے نام کے ساتھ کیوں ملایا گیا ہے ؟

ج ۔ کیونکہ حضور کو ربّ سے قرب ہے۔ لہٰذا ان کے نام کو رب کے نام سے قریب رکھا گیا۔ دیکھو محمد میں چار حرف ہیں۔ چاروں بے نقطہ۔ ایک پر تشدید ہے۔ اس طرح اللہ میں چار حرف ہیں سب بے نقطہ ایک پر تشدید مگر شد پر کھڑا زبر معلوم ہوا کہ ربّ شہنشاہ ہے اور حضور وزیر اعظم۔ پھر لا الٰہ الا اللہ میں بارہ حرف ہیں۔ اسی طرح محمد رسول اللہ میں بارہ۔ ابوبکر الصدیق اور عمر بن الخطاب اور عثمان ابن عفان۔ علی ابن ابو طالب۔ ان سب ناموں کے بارہ حرف ہیں۔ پھر ربّ کا نام حامد حضور کا نام محمد محبوب کا نام شریف احمد ربّ کا نام پاک محمود یعنی رب ان کا حامد وہ رب کے محمود

س ۔ عیسےٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر ہیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرش پر جلوہ افروز۔ ثابت ہوا کہ زیادہ قرب الٰہی عیسےٰ علیہ السّلام کو حاصل ہے۔

ج ۔ صرف اوپر نیچے ہونے پر افضلیت کا مدار نہیں۔ موتی سمندر میں نیچے رہتا ہے اور حباب اوپر اشرف المخلوقات انسان زمین پر رہتا ہے۔ اور چاند تارے سورج آسمان پر۔ انسان زمین پر سوتا ہے چڑیاں اونچے درختوں پر۔ عیسےٰ علیہ السلام کا چوتھے آسمان پر جانا دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے ہے۔ اور معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا عرش پر جانا۔ مہمانی کے طور پر یہ معراج طور اور چہارم آسمان سب سے افضل ہے حضور کے معجزات بے شمار اور قرب الٰہی بے حد ہے۔

س ۔ جب عیسےٰ علیہ السّلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو نبی ہوں گے یا نہیں۔ اگر نبی ہوں گے۔ تو حضور خاتم النّبیین نہ رہے اور اگر نبوت سے معزول ہو کر آئیں گے۔ تو یہ ان کی شان کے خلاف ہے ربّ کسی کو نبوت سے معزول نہیں کرتا۔

ج ۔ نبی کا تعلق رب تعالیٰ سے۔ فیض حاصل کرنے کا یہ نبوت کا بطن ہے اور خلق سے تعلق ہے۔ فیض دینے کا یہ ہے نبوت کا ظہور پہلا وصف نسخ کے قابل نہیں اور دوسرا وصف قابل نسخ ہے۔ عیسےٰ علیہ السلام نزول کے وقت قرب الٰہی اور درجہ کے لحاظ سے نبی ہوں گے مگر ظہور کی حیثیت سے مسلمانوں کے ولی ہوں گے۔ موسیٰ علیہ السلام جب خضر علیہ السّلام سے

ملنے گئے تو نبی ہی تھے۔ مگر وہاں اپنے احکام جاری نہ فرما سکے۔ شب معراج میں سارے نبی حضور کے پیچھے نماز میں موجود تھے۔ مگر اجرائے احکام کے لیے نہیں۔ ایک کچہری کا جج دوسرے شہر کی عدالت میں گواہ بن کر پیش ہو تو وہ اپنی جگہ جج ہے مگر یہاں اس وقت گواہ کی حیثیت سے ہے خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کسی کو نبوت نہ ملے۔ جیسے علیہ السلام پہلے کے نبی ہیں۔ آخری بیٹا وہ جس کے بعد کوئی بیٹا پیدا نہ ہو۔ نہ کہ پہلی اولاد سب مر جاوے۔ نبی کی وفات سے اور نبی کا دین منسوخ ہونے سے ظہور نبوت نہیں رہتا۔ ان کی نبوت ویسے ہی قائم رہتی ہے۔ اس لیے ہم سب پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر سب کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔

س۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں۔ پھر انہیں افضل الانبیاء کیوں کہا جاتا ہے

ج۔ بشر بشرہ سے بنا بمعنی ظاہری کھال۔ بشر بمعنی ظاہر کھال والا انسان کے سوا کسی کی ظاہری کھال ظاہر نہیں۔ کسی کی کھال پروں سے کسی کی بالوں سے چھپی ہے۔ سانپ کی کھال بھی کینچلی سے چھپی نیز اس کی پشت ظاہر اور پیٹ زمین سے متصل۔ لہٰذا حضور صلے اللہ علیہ وسلم ظاہری چہرے مہرے میں ہماری طرح محسوس ہوتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن اور دیگر دنیاوی کتابیں۔ کہ کاغذ لکھائی چھپائی میں یکساں معلوم ہوتی ہیں۔ مگر حقیقت میں بہت فرق ہے۔ ایسے ہی حضور صاحب وحی صاحب معراج صاحب درود ہیں۔ لہٰذا بڑا فرق ہے۔ خود فرماتے ہیں اَیُّکُمْ مِثْلِیْ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ۔ تم میں ہم جیسا کون ہے؟ ہمیں رب کھلا پلاتا ہے جیسے ناطق نے انسان کو تمام مخلوق سے اعلیٰ کر دیا۔ ایسے ہی یُوْحٰی اِلَیَّ کی صفت سے حضور سارے انسانوں سے افضل ہوئے۔

س۔ حضور کو امی کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ یہ لفظ یا تو ام القریٰ سے بنا جس میں مکہ معظمہ کی طرف نسبت ہے یعنی مکہ والے رسول مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تمام زمین کی اصل ہے۔ کیونکہ وہاں سے ہی زمین پھیلی یا اُمّی کے معنی ہیں ماں والے۔ حضور کی جیسی والدہ کسی کی نہیں۔ اسی لیے ان کا نام آمنہ ہوا یعنی دنیا کو امن دینے والی یا اللہ کی امانت دار بی بی۔ دائی کا نام پاک حلیمہ یعنی حلم والی بی بی۔ رحمت

عالم کے شکم پاک میں علم والی کا دودھ شریف ہی جانا چاہیے۔ یا امی کے معنی ہیں والدہ کے شکم سے عالم یعنی مادر زاد علم والے دُنیا میں کسی کے شاگرد نہیں۔ اسی لیے جو شخص علم لدُنی رکھے۔ اسے آپ بھی امی کہہ دیتے ہیں یعنی جس حال میں شکم مادر سے پیدا ہوئے۔ اسی حال میں رہے۔ یا امی کے معنی ہیں اصل عالم کی ام یعنی اصل چونکہ نور پاک مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کی اصل ہے۔ لہذا حضور کا اسم شریف امی ہوا۔

س۔ حضور کے والدین مومن تھے یا نہیں؟

ج۔ آدم علیہ السلام سے حضرت عبداللہ تک حضور کے سلسلۂ نسب میں کوئی مشرک نہیں۔ سارے آباد امہات مومن موحد گزرے۔ رب فرماتا ہے۔ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ اعلیٰ موتی قیمتی ڈبہ میں رکھا جاتا ہے۔ نور محمدی اعلےٰ چیز تھی۔ اس کے لیے پاک پیٹھ طاہر پیٹ لازم ہیں۔

س۔ ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر بت پرست تھے۔ حالانکہ وہ بھی حضور کے نسب میں شامل ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ لِاَبِيهِ آزَرَ۔

ج۔ آزر ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہیں والد نہیں۔ ان کے والد تارخ ہیں جو مومن موحد تھے عربی میں چچا کو اب یعنی باپ کہہ دیا جاتا ہے۔ رب نے فرمایا۔ وَاٰبَآئِكَ اِبْرَاهِيمَ وَاِسْمٰعِيلَ وَاِسْحٰقَ دیکھو۔ اسمٰعیل علیہ السلام یعقوب علیہ السلام کے چچا ہیں۔ مگر انہیں آباء میں داخل کیا گیا۔ ایسے ہی یہاں ہے۔

س۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے آمنہ خاتون کی قبر کی زیارت کی اجازت رب سے چاہی دیدی گئی۔ مگر دُعا مغفرت کرنا چاہی تو اس سے روک دیا گیا۔ اگر وہ مومنہ تھیں تو ان کے لیے دُعا مغفرت سے کیوں روکا گیا؟

ج۔ اس لیے کہ وہ بے گناہ تھیں۔ دُعا مغفرت گنہگار کے لیے ہوتی ہے دیکھو بچہ کی نماز جنازہ میں میت کو دُعا نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ بے گناہ ہے۔ اگر مومنہ نہ ہوتیں۔ تو ان کی زیارت قبر بھی منع ہوتی رب فرماتا ہے وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ۔ وہ گناہ گار ہوتیں بھی کیسے گناہ وہ کر سکتا ہے جو شرعی حکم پائے اور مخالفت کرے وہ تو اسلام کے ظہور سے پہلے وفات پاگئیں۔ ان کا نام ان کے ایمان کا پتہ دیتا ہے آمنہ ایمان والی یا امن دینے والی یا امانت الٰہی رکھنے والی بی بی رضی اللہ عنہا

س۔ حضور علیہ السلام نے ایک شخص سے فرمایا اِنَّ اَبِیْ وَاِیَّاکَ فِی النَّارِ۔ تیرا اور میرا باپ آگ میں ہیں۔ اگر حضرت عبداللہ مومن اور بے گناہ تھے۔ تو آگ میں کیوں گئے؟

ج۔ یہاں ابی سے مراد حضور کے چچا ہیں۔ عربی میں چچا کو اب کہا جاتا ہے۔

س۔ حضرت آمنہ خاتون و عبداللہ کس نبی کے دین پر تھے۔ عیسائی تھے یا یہودی۔

ج۔ وہ صرف موحد مومن تھے۔ ان میں سے کسی پیغمبر کے دین پر نہ تھے دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ وہ دونوں رسول نبی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ خود فرماتے ہیں۔ ورسولا الی بنی اسرائیل اور والدین پاک دونوں بنی اسمٰعیل تھے۔ دوسرے اس لیے کہ عیسائیت و یہودیت اس وقت اپنے اصلی رنگ میں نہ رہے تھیں۔ توریت و انجیل میں بہت تبدیلی ہوگئی تھی۔ ان پیغمبروں کی تعلیمات مٹ گئی تھیں اس مٹی ہوئی تعلیم کا ماننا لازم نہ تھا۔ ایسے لوگوں کے لیے صرف توحید کا عقیدہ کافی تھا۔ انہیں کو اصحاب فترۃ کہتے ہیں۔

س۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی بھی کہتے ہیں۔ رسول بھی اور امی بھی۔ ان تینوں معنی میں کیا فرق ہے یہ الفاظ حضور پر کیونکر صادق آتے ہیں؟

ج۔ حکومت کے محکمے تین ہوتے ہیں۔ داخلی جو اندرون سلطنت کا کام کرے جیسے پولیس چونگی وغیرہ۔ خارجی محکمہ جو سلطنت کے باہر عمل کرے۔ جیسے فوج کا محکمہ۔ وہ محکمہ جو خارج و داخل سے تعلق قائم رکھے۔ جیسے ریل و ڈاک خانہ اندرون ملک کی خبریں اور چیزیں باہر اور باہر کی اندر لاتا اور لے جاتا ہے۔ اسی طرح حکومت ربانی کے محکمے ہیں کہ بعض ملائکہ فرش کے منتظم ہیں۔ اور بعض عالم بالا کے ان دونوں محکموں میں تعلق پیدا کرنے والے انبیاء کرام ہیں کہ رب کے احکام مخلوق تک لاتے ہیں اور مخلوق کی عرض و معروض وغیرہ رب تک پہنچاتے ہیں۔ معاصی کی معافی کراتے ہیں لہٰذا وہ حضرات چونکہ بندوں کی خبریں اعمال رب تک پہنچادیں لہٰذا وہ رسول ہیں۔ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا۔ پھر جیسے ڈاک خانہ تار کی خبریں جلد اور خطاکی خبریں دیر سے پہنچاتا ہے۔ ایسے ہی انبیاء کی معرفت سے بعض بندے جلد اور بعض دیر سے رب تک پہنچتے ہیں۔ پھر دیگر انبیاء دنیا میں تشریف لاکر نبی ہوئے اور ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی ہو کر تشریف لائے۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ۔

لہٰذا حضور علیہ السلام امی نبی یعنی مادر زاد نبی ہیں۔

س۔ حضور نے فرمایا۔ كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ۔ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ میں علم الٰہی میں نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔ تو اس معنی سے سارے پیغمبر اس وقت نبی تھے اور اگر معنی یہ ہیں کہ میں واقعہ میں نبی تھا۔ تو یہ ناممکن ہے۔ نبوت تو دنیا میں ہے وہاں کیسی۔ نیز نبی انسان ہوتا ہے اور انسان کے لیے جسم ضروری ہے۔ پھر اس وقت نبوت کیسی؟

ج۔ روح پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں سارے عالم کی فی الواقع نبی تھی۔ اس وقت حضور کی روح مبارک ارواح انبیاء کی تربیت فرماتی رہی۔ سارے انبیاء حضور سے ہی فیض لے کر اس عالم اجسام میں نبی ہوئے۔ بلکہ ان کے ظہور نبوت کے بعد بھی روح پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض آتا رہا۔ جیسے تاروں میں آفتاب کا نور آتا ہے۔ اس لیے آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ستان عرش پر لکھا پایا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ آئندہ جنت میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ ہی کی نبوت کا ظہور ہوگا۔ سارے جنتی حضور ہی کا کلمہ پڑھیں گے اور جنت کی ہر چیز پر حضور کا نام لکھا ہوا ہے۔ شب معراج میں حضور علیہ السلام ہی انبیاء کے امام ہوئے۔ بشریت وغیرہ اس دنیا میں نبوت کے لیے ضروری ہو[illegible]ت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی۔ حضور کی نبوت ان سے بھی پہلے ہے۔ جسم میں آدم علیہ السلام حضور[illegible] اس ہی اور حقیقت میں حضور آدم علیہ السلام کی اصل ظاہر میں درخت پھل کی اصل ہے مگر حقیقت میں پھل درخت کی کہ درخت اسی کی خاطر لگایا گیا۔

س۔ عالم ارواح میں نبوت کی ضرورت کیا تھی۔ وہاں روزہ نماز فرض ہی نہ تھا۔ انہی احکام کے لیے نبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ج۔ ہر مقام اور ہر قوم کے احکام جداگانہ ہیں اس عالم میں ارواح کے لیے بھی احکام تھے۔ مگر وہ احکام ان احکام سے جداگانہ تھے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں سب سے بلٰی حضور ہی نے کہلوایا تھا۔ دیکھو مدارج وغیرہ۔ یہاں بھی حضور علیہ السلام ہر مخلوق کے نبی ہیں۔ مگر روزہ نماز صرف انسانوں کے لیے ہیں۔ درخت وغیرہ پر یہ احکام جاری نہیں۔ انسانوں میں بھی امیر و فقیر کے جداگانہ احکام ہیں۔ مگر حضور نبی سب کے ہیں۔ جنت میں حضور سب کے نبی ہوں گے۔ مگر

احکام جداگانہ ہوں گے۔ غرض وہاں بھی نبوت کی ضرورت سب کو تھی کبھی رب کا فیض حضور کے بغیر واسطہ کسی کو نہیں ملتا۔

س۔ نبی اور امتی دونوں ہی اسلام کے جہاز میں سوار ہیں تو یہ فرق کیوں ہے؟

ج۔ جہاز کا کپتان اور سواریاں سب ہی ایک جہاز میں سوار ہیں۔ مگر سواریاں پار تو اترنے کے لیے سوار ہیں اور کپتان سب کو پار اُتارنے کے لیے۔ اسی لیے سواریاں کرایہ دے کر سوار ہوتی ہیں مگر کپتان تنخواہ لے کر۔ ہماری نماز، روزے نجات پانے کے لیے ہیں۔ حضور کی عبادت ہمکو نجات دلانے کے لیے۔ تاکہ ان کو عبادت کرتے دیکھیں۔ ہم بھی ایسے ہی کریں۔ ورنہ وہ تو پہلے ہی مقبول بارگاہ الٰہی ہیں۔

س۔ قیامت کے دن انبیاء کرام کے اعمال میزان میں تولے جائیں گے یا نہیں؟

ج۔ نہیں۔ وزن اعمال صرف ان لوگوں کا ہوگا۔ جن کے پاس نیکیاں بدیاں دونوں ہوں۔ کیونکہ وہاں باٹ سے وزن نہ ہوگا۔ بلکہ اعمال بد کا اعمال نیک سے۔ اس لیے کفار کے بارے میں قرآن فرماتا ہے۔ وَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا یا کہ کفار کے لیے بھی قیامت میں وزن نہیں، کیوں کہ ان کے پاس نیکیاں ندارد ہیں نیز انبیاء کرام کے اعمال ایسے وزنی ہیں جنہیں کوئی ترازو تول نہیں سکتی۔ جیسے دنیا کی ترازو زمین و آسمان نہیں تول سکتی۔ ایسے کارخانہ قدرت میں ایسی ترازو بنی ہی نہیں۔ جو نبی کی نیکیاں تولے۔ بعض گنہگاروں کا دفتر گناہ ایک کلمہ طیبہ سے تولا جاوے گا۔ تو کلمہ وزنی ہوگا۔ اس کے دفتر ہلکے۔ کیونکہ وہ اس گنہگار کے کلام میں یہ مصطفےٰ پاک کا پیارا نام ان کا ایک سجدہ کونین کی ساری عبادات سے وزنی ہے۔

س۔ نبی کی توہین کفر کیوں ہے؟

ج۔ اس لیے کہ اس میں رب کے کلام کی تردید ہے اور شیطان کی تائید۔ رب ان کی تعریف فرماتا ہے نِعْمَ الْعَبْدُ۔ یہ بندہ کہتا ہے کہ نہیں وہ بُرے تھے۔ اچھے نہ تھے۔ نبی کی نعت کلام ربانی کی تائید ہے اور ان کی توہین رب کی تردید۔

س۔ نبی کی ہر چیز کی توہین کفر کیوں ہے۔ چاہیے کہ صرف تبلیغی امور کا انکار کفر ہو۔

ج۔ اسی لیے کہ رب نے ان کی مطلق تعریف فرمائی کہ نِعْمَ الْعَبْدُ۔ وہ ہمارے اچھے بندے ہیں

اور ظاہر ہے کہ بندہ ہر حال میں ہر وصف کے ساتھ بندہ ہے۔ جب انہیں بندہ فرما کر اچھا کہا۔ تو گویا ان کے سونے۔ جاگنے۔ چلنے۔ پھرنے ہر حال کی تعریف ہوئی۔ اب جو اُن کی کسی حالت کی توہین کرے وہ رَب کی تردید کرتا ہے۔

س۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ ربِّ ارنی۔ وہ تو محبوب رہے۔ بنی اسرائیل نے عرض کیا ہمیں رب دکھا دو ان پر عذاب آگیا۔ فرق کیا ہے؟

ج۔ موسےٰ علیہ السلام نے شوقِ ملاقات اور اشتیاقِ دیدار میں یہ کہا تھا بنی اسرائیل نے عناد اور موسیٰ علیہ السلام پر بے اعتمادی کی وجہ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ کہا تھا۔ لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ بغیر رب کو دیکھے آپ کی بات نہ مانیں گے اور نبی پر بے اعتمادی کفر ہے۔

س۔ رَب نے مسلمانوں کو امتِ وسط یعنی درمیانی امت فرمایا حالانکہ یہ آخری امت ہے؟

ج۔ یہاں درمیانی سے زمانہ کے اعتبار سے درمیانی مراد نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دین موسوی میں بہت سختی تھی۔ دین عیسوی میں بہت نرمی۔ دین محمدی میں درمیانی حالت لہذا وسط ہے یا وسط سے افضل مراد ہے۔ افضل چیز درمیان میں ہوتی ہے۔ امام صف کے بیچ میں بڑا موتی ہار کے بیچ میں۔ دل جسم کے بیچ میں۔ مکہ شریف آباد زمین کے بیچ میں۔ لشکر کا جرنیل لشکر کے بیچ میں محراب مسجد کے بیچ میں ہے۔ کمی کناروں میں ہوتی ہے۔ بیچ بھرپور ہوتا ہے یا اس لیے وسط کہا کہ درمیانی چیز پر سب کا دارو مدار ہوتا ہے۔ مرکز دائرہ کا کیل چکی کے پہیہ کا دُھرہ پہیہ کا ترازو کی لسان ساری ترازو کا موقوف علیہ ہے۔ چونکہ مسلمان سارے عالم کے بقاء کا ذریعہ ہیں کہ ان کے فنا ہوتے بس دنیا کی فنا ہے۔ لہذا یہ بیچ کی امت ہے۔

س۔ قرآن کو قرآن اور فرقان کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ قرآن کے معنی ہیں ملانے والا۔ انسان غذا۔ زبان۔ لباس۔ شکل وصورت میں جداگانہ تھا۔ مگر قرآن نے سب کو ملا کر مسلمان بنا دیا۔ جیسے مختلف پھولوں کے رس شہد کی مکھی کی وجہ سے ایک شہد ہو گئے۔ لہذا یہ قرآن ہے۔ پھر قرآن سے پہلے مومن و کافر صدیق و زندیق یکساں معلوم ہوتے تھے۔ قرآن نے ان میں فرق دکھا دیا۔ جیسے بارش سے پہلے ساری زمین یکساں معلوم ہوتی تھی۔ خبر نہ تھی کہ مالک نے کس جگہ کیا بویا ہے۔ بارش کے آتے ہی پودے اُگے جس سے اندرونی

تخم کا پتہ چل گیا۔ لہذا یہ فرق ہے۔

س۔ جمع قرآن کے لیے عثمان کو کیوں منتخب کیا گیا۔ عثمان جامع قرآن کیوں ہوئے۔

ج۔ اس لیے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنے بائیں ہاتھ شریف کو فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ اور حضور کا ہاتھ رب کا دست قدرت ۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ اس واسطے سے عثمان کا ہاتھ یَدُ اللّٰہ ہوا۔ تو کتاب اللہ کے جمع کرنے کے لیے ید اللہ ہی چاہیے تھا۔

س۔ قرآن شریف کی توہین کو فقہا نے کفر کیوں لکھا ہے ؟

ج۔ اس لیے کہ حکومت کی کسی چیز کی توہین حکومت کی توہین ہے عدالت میں حاکم کے سامنے اونچی آواز سے بولنا جرم ہے۔ کہ یہ توہین عدالت ہے اور توہین عدالت حکومت کی اہانت ہے۔

س۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی بت پرستی دیکھ کر توریت ٹیک دی۔ حالانکہ اس کی تختیاں تحریر سب رب کی طرف سے تھیں۔ جب وہ کفر نہ ہوئی۔ تو موجودہ قرآن کا نسخہ جس کا کاغذ روشنائی تحریر سب بندے کی ہے۔ اس کی توہین کفر کیوں ہے ؟

ج۔ کتاب الٰہی کے گرانے کی تین صورتیں ہیں۔ غلطی سے گر جائے۔ کسی پر غصہ آجائے جس سے کتاب اللہ ہاتھ سے گرادی جاوے خود کتاب اللہ کی اہانت مقصود ہو۔ اس لیے پھینکا جائے پہلی صورت گناہ بھی نہیں۔ دوسری صورت خطا یا گناہ ہے مگر کفر نہیں تیسری صورت کفر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے تختیاں یا تو بلا قصد گر گئیں کہ قوم پر اللہ کے لیے غصہ آیا۔ جسم شریف میں رعشہ پیدا ہوا تختیاں گر گئیں۔ یا یہ ہوا کہ قوم پر غصہ آیا غصہ کے جوش میں تختیاں گرادیں خطا ہوئی جس کی رب سے معافی چاہی رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ غرضیکہ وہاں توریت شریف کی توہین مقصود نہ تھی۔

س۔ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کی داڑھی پکڑی۔ جس میں داڑھی کی بھی جو سنت انبیاء ہے توہین ہے اور ایک پیغمبر کی بھی اہانت یہ دونوں کفر ہیں اور چونکہ یہ سختی آپ نے بلا وجہ کی لہذا قصاص دینا چاہیے۔ کہ یہ حقوق العباد ہے۔

ج۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کے یہ افعال کفر تو کیا غلطی و خطا بھی ہوتے تو ان پر عتاب الٰہی آجاتا

جیسے آدم علیہ السلام کو گندم کھانے کی وجہ سے ہوا. ہارون علیہ السلام عمر میں موسٰے علیہ السلام سے بڑے تھے. مگر درجہ میں موسیٰ علیہ السلام اعلیٰ کہ آپ سلطان تھے اور حضرت ہارون وزیر موسیٰ علیہ السلام سے خطار اجتہادی ہوئی. وہ سمجھے کہ ہارون علیہ السلام نے قوم کو شرک سے روکنے میں کوتاہی کی لہذا عتاب فرمایا. حقیقت حال دریافت ہونے پر دُعا دی خطا اجتہادی معاف ہے. اگر حاکم غلطی سے کسی کو سزا دے تو معاف ہے. جج اپنے ملزم باپ کو سزا دے سکتا ہے. غرضیکہ یہ توہین نہ تھی تادیب تھی. جو خطار اجتہادی سے واقع ہوئی.

س۔ قرآن فرماتا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام مٹی کے پرندے بنا کر پھونک سے زندہ کر دیا کرتے تھے. یہ کیسے ہو سکتا ہے. مٹی میں جان کیسے پڑ سکتی ہے؟

ج۔ دن رات مٹی میں جان پڑتی رہتی ہے. سر میں گرد و غبار پڑ[illegible] جمع [illegible] زندہ جوں ہو گئی چارپائی میں مٹی میل جمع ہوا. جاندار کھٹمل بن گیا. بارش مٹی میں گری. وہ مٹی ہزار ہا مینڈکوں اور پروانوں کی شکل میں نمودار ہو گئی. اگر آپ کی پھونک سے بھی مٹی میں جان پڑے تو کیا حرج ہے. آپ کا نام ہی روح اللہ ہے.

س۔ عیسےٰ علیہ السلام پھونک سے مُردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے یہ بھی ناممکن سی بات ہے نکلی ہوئی روح پھونک سے کیسے واپس آسکتی ہے.

ج۔ یہ بھی محال نہیں بعض سانپوں کی پھونک سے آدمی کی روح نکل جاتی ہے. جب سانپ کی سانس جان نکال سکتی ہے تو روح اللہ کی سانس جان ڈال سکتی ہے. صور کے ذریعہ اسرافیل علیہ السلام کی سانس تمام عالم کو زندہ کرے گی.

س۔ حدیث شریف میں ہے کہ قربِ قیامت میں جب عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے. تو ان کی سانس سے کافر مریں گے عجیب بات ہے. کہ پہلے آپ کی سانس سے مردے جیتے تھے. اب زندے مریں گے.

ج۔ آنکہ داند دوخت او داند درید. جو سینا جانتا ہے. وہ ادھیڑنا بھی جانتا ہے. موت زندگی رب کی طرف سے ہے. یہ سانس شریف ذریعہ ہے. وہ جس وقت چاہے کام لے لے اسرافیل علیہ السلام کی پہلی پھونک سے زندے مریں گے. پھر دوسری پھونک سے سب مُردے زندہ

ہوں گے۔

س۔ قرآن سے لوگ گمراہ کیوں ہو جاتے ہیں۔ وہ ہادی ہے ہادی سے گمراہی کیسی ؟

ج۔ ایک ہی ہارمونیم کا ایک پردہ دباؤ تو موٹی اور بھاری آواز نکلتی ہے۔ دوسرا دباؤ تو سریلی اور باریک آواز دیتا ہے۔ حالانکہ ہوا ایک ہی جاتی ہے۔ انسان کے قلب و دماغ میں رحمانی پردے بھی ہیں شیطانی بھی۔ اگر شیطانی پردہ غالب ہے۔ تو قرآنی ہوا سے کفر کی آواز نکلتا ہے اگر رحمانی پردہ غالب ہے۔ تو اس قرآنی ہوا سے ایمان بولتا ہے۔ یہ قرآن کا قصور نہیں۔ اپنے پردہ کا قصور ہے۔ بارش سے کہیں لالہ اُگتا ہے کہیں خار۔

س۔ قرآن تو اچھی چیز ہے اس سے اچھی ہی شے صادر ہونا چاہیے۔

ج۔ قرآن تو اچھا ہے۔ پڑھنے والے کا دل و دماغ برا۔ سامری کے بچھڑے کے منہ میں حضرت روح الامین کی گھوڑی کی خاک پڑی جو نہایت اعلیٰ تھی مگر چونکہ وہ سونا فرعون کا خبیث مال تھا اس لیے اس پاک مٹی نے اگرچہ اس میں زندگی بخشی اور آواز پیدا کر دی۔ مگر اس آواز سے لوگ گمراہ ہوئے کوئی اللہ کا بندہ وہ مٹی کھاتا تو لاکھوں کو ہدایت دیتا۔ قرآن و علم طیب و اعلیٰ ہیں۔ مگر بے دین عالم سامری کا بچھڑا ہے کہ علم پڑھ کر جو بولتا ہے۔ اس سے لوگ گمراہ ہی ہوتے ہیں

قبر و دفن

س۔ میت کو دفن کرنا کوے کا فعل ہے۔ مسلمانوں نے کوے کی شاگردی کر کے دفن کرنا سیکھا ہے میت کا جلانا اچھا ہے زمین گھرتی ہے اور میت کا جسم خراب ہوتا ہے۔ دو گز زمین میں لاکھوں ہندو جل جاتے ہیں۔ مگر مسلمان اکیلا قیامت تک اس پر قابض رہتا ہے۔

ج۔ مردے کو جلانا فطرت کے خلاف ہے۔ دفن ہی فطرت کے مطابق ہے۔ کیونکہ انسان مٹی کا ہے۔ آگ پانی ہوا تو مٹی کو خمیر کرنے کے لیے اس میں ایسی شامل کی گئی ہے جیسے آٹے میں پانی آگ اسی لیے اسے آدمی کہتے ہیں۔ یعنی مٹی کی چیز پھر انسان کا کھانا پینا لباس مٹی ہی سے ہے

تو چاہیے کہ خود بھی بعد موت مٹی میں ہی رہے مسلمان بنیاد والی دیوار ہے کیونکہ اس کے زندے زمین کے اُوپر اور مردے زمین کے نیچے ہیں۔ ہندو بے بنیادی دیوار کہ اس کے زندے مردے دونوں زمین کے اُوپر ہی ہیں۔ لہٰذا مسلمان مضبوط ہے۔ مشرک کمزور دفن ہی کیا بہت سے کام انسان نے حیوانات سے سیکھے ہیں۔ چنانچہ آپریشن ایک بیل سے سیکھا کہ ایک دھوبی کو استسقاء تھا۔ اتفاقاً دو بیل آپس میں لڑے ایک نے بھاگتے ہوئے دھوبی کے پیٹ پر لات رکھ دی جو سو رہا تھا۔ دھوبی کا پیٹ پھٹ گیا۔ پانی نکل کر آرام ہوگیا۔ زہر کی دوائیں بندر سے بتوسط بندر اور لنگور سے سیکھے۔ دیکھو حکیم اجمل خان دہلوی کی کتب تو کیا یہ تمام جانور انسان کے اُستاد ہوگئے۔ اگر کوئی اپنا کام کر رہا ہو۔ دوسرا آدمی اپنی ذکاوت سے اُسے سیکھ لے تو وہ شاگرد نہ ہو جائے گا۔ جب تک کہ سکھانے اور سیکھنے کی نیت سے تعلیم و تعلّم نہ کریں۔

س۔ اسلام فرماتا ہے کہ مردے سے قبر میں تین سوال ہوتے ہیں۔ رب تیرا کون۔ دین تیرا کیا۔ ان محبوب کو تو کیا کہتا تھا۔ جس مسلمان نے حضور کو دیکھا نہیں وہ کیسے پہچان سکے گا؟

ج۔ تعلق ایمانی سے پہچانے گا۔ جیسے دنیا میں جان پہچان خونی رشتے یا ظاہری ملاقات سے ہوتی ہے۔ ایسے ہی روحانی پہچان ایمانی رشتہ سے ہوگی۔ جن کفّار نے حضور کو دیکھا تھا وہ قبر میں حضور کو نہ پہچان سکے۔ ایسے ہی جن مسلمانوں نے حضور کو نہ دیکھا وہ پہچان لیں گے دیکھو حضور کو دیکھنے والے کافر حضور پر عاشق نہ ہوئے۔ مگر کروڑوں نہ دیکھنے والے مسلمان حضور کے ایسے عاشق ہیں کہ ان کے نام پر مال و جان فدا کر دیتے ہیں۔ جیسے یہاں بغیر دیکھے عشق ہے۔ ایسے ہی وہاں ان شاء اللہ بغیر دیکھے پہچان ہوگی۔ دنیاوی محبوبوں کو ہزاروں نے دیکھا۔ مگر ان کا عاشق ایک ایک ہوا۔ ایسے ہی حسنِ یوسف پر فدا فقط زلیخا۔ مگر مدنی محبوب کو دیکھا کسی نے نہیں۔ مگر عاشق کروڑوں صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم۔

س۔ جو لوگ دفن نہیں ہوتے آگ میں جل جاتے ہیں یا انہیں شیر کھا جاتا ہے ان سے حساب قبر کیونکر ہوگا؟

ج۔ قبر سے مراد صرف یہ غار نہیں ہے۔ جس میں مردہ دفن ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے عالم برزخ

مُراد ہے۔ مُردہ کا جسم کہیں ہو۔ مگر روح تو محفوظ ہے۔ اسی روح کو جسم کے اصل ذرات سے متعلق کر کے اُس سے سوال جواب ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی دفن ہی نہ کیا گیا یوں ہی میدان میں پھینک دیا گیا۔ اس سے اسی حال میں سوالات قبر ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ہمیں محسوس نہ ہو ماں کے پیٹ میں بچّہ بن جاتا ہے۔ ماں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔

س۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن کی قبر ستر گز فراخ ہو جاتی ہے۔ سو اگر مومن و کافر کی قبریں برابر ہوں اُور مومن کی قبر ستر گز چوڑی ہو تو کافر کی قبر کہاں جائے گی؟ ایسے ہی اگر مومن و کافر ایک ہی قبر میں دفن ہو گئے ہوں تو بتاؤ وہ قبر کافر کے لیے تنگ ہو گی یا فراخ اُور اس قبر میں جنّت کی ہوا آئے گی یا دوزخ کی۔

ج۔ مومن کی قبر فراخ ہو گی اُور کافر کی قبر وہاں ہی رہے گی اُور اُس ایک قبر میں مومن کے لیے جنّت کی ہوا آوے گی اُور کافر کے لیے دوزخ کی۔ ایک کا اثر دوسرے پر نہ ہو گا۔ یہ فراخی اُور تنگی احساسی ہیں۔ نہ کہ دوسری زمین کاٹ کر۔ جیسے ایک چارپائی پر دو آدمی سو رہے ہیں۔ ایک شخص خواب میں اپنے کو بڑے میدان میں دیکھتا ہے۔ دوسرا اپنے کو جیل کی کوٹھڑی میں قید پاتا ہے۔ ایک کو اچھی خواب نظر آتی ہے۔ وہ خوش ہو رہا ہے دوسرے کو بری وہ تکلیف پا رہا ہے۔ دیکھو چارپائی ایک ہے۔ مگر اس پر سونے والوں کے حال مختلف یا بیداری کی حالت میں ایک آدمی اچھے خیالات سے خوش ہو رہا ہے۔ دوسرا بُرے خیالات سے پریشان ہے۔ دنیاوی زندگی قبر کے لحاظ سے خواب ہے اُور قبر کی زندگی قیامت کے لحاظ سے خواب۔

س۔ جب قیامت میں حساب و کتاب اُور عذاب و ثواب ہو گا تو قبر میں یہ چیزیں کیوں ہیں؟

ج۔ قبر میں صرف ایمان و کفر کی جانچ ہے۔ قیامت میں اعمال کی بھی قبر کی جانچ برزخی زندگی کے لیے ہے اُور قیامت کا حساب آئندہ دائمی زندگی کے لیے۔ قبر کا عذاب ایسا ہے۔ جیسے جیل سے پہلے حوالات۔ قیامت کا دن مقدمہ کا دن ہے اُس فیصلہ پر اگلی زندگی کا مدار ہے۔

س۔ بعض لوگ قبر میں کفنی لکھ کر رکھتے ہیں۔ یہ بیکار ہے۔ اگر مردہ جاہل ہے یا عربی نہیں جانتا۔ تو اسے اس تحریر سے کیا فائدہ ہو گا۔ وہ کیسے پڑھ کر جواب دے گا؟

ج۔ یہ تحریر برکت کے لیے ہے۔ جیسے سبزے کی تسبیح سے مُردے کے عذاب میں کمی ہو جاتی ہے بعض صحابہ کرام حضور کے تبرکات قبر میں ساتھ لے گئے۔ برکت کے لیے ایسے ہی یہ تحریر ہے۔ اللہ کے ذکر سے دل کو چین آتا ہے۔ خواہ تحریری ذکر ہو یا زبانی۔ نیز اس میں میت کو تلقین ہے۔ حدیث میں ہے لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ جہالت اور مختلف زبانیں اس دُنیا کے حالات ہیں۔ مرتے ہی سارے آدمی پڑھ سکیں گے اور تمام جنتیوں کی زبان عربی ہوگی۔ قیامت میں سب لوگ اپنے نامہ اعمال پڑھ لیں گے جو عربی میں ہوں گے۔ مگر سب سمجھ لیں گے سوالات قبر بھی عربی میں ہی ہوتے ہیں۔ جیسے اندھاپن اور دیگر ظاہری بیماریاں اس جسم کی ہیں۔ وہاں نہ کوئی اندھا ہوگا نہ کوڑھی سب اچھے۔ ایسے ہی کفر گناہ جہالت۔ جوا۔ شراب خوری سب اس عالم کی چیزیں ہیں۔ وہاں سب علم والے ایمان والے خوفِ خدا رکھنے والے ہوں گے۔ اگرچہ اس ایمان و تقوی کا اعتبار نہ ہوگا۔

س۔ زیارت قبور سنت کیوں ہے؟

ج۔ تاکہ اپنی موت یاد آتی رہے۔ جس سے انسان اس زندگی کے لیے انتظام کرتا رہے اور تاکہ اس بہانہ سے زندے مردوں کو ایصال ثواب کرتے رہیں۔ غرضیکہ اس میں زندوں مردوں دونوں کا بھلا ہے۔

س۔ بعض لوگ وصیت کرتے ہیں کہ ہمیں فلاں بزرگ کے پاس دفن کرنا یا مدینہ پاک میں قبر کی تمنا کرتے ہیں۔ اس سے کیا فائدہ۔ مُردے کو جگہ مقدس میں کیا فائدہ دے سکتی ہے؟

ج۔ کافر کے لیے کسی جگہ دفن ہونا مفید نہیں۔ ہاں گنہگار مومن کو اس سے یہ فائدہ ہے کہ جہاں اللہ کے پیارے دفن ہوں وہاں رحمت کے پنکھے چل رہے ہیں۔ اس مقبول کی طفیل اسے بھی وہ ہوا مل جائے گی۔ اگر کوئی غریب آدمی کسی رئیس کی کوٹھی پر اس سے ملاقات کرنے جاوے تو جو بجلی کا پنکھا رئیس کے لیے چل رہا ہے۔ اس کی ہوا سے اسے بھی فائدہ پہنچ جاوے گا۔

قیامت

س ۔ قیامت کو قیامت یا محشر کیوں کہتے ہیں ؟
ج ۔ قیامت کے معنی ہیں کھڑا ہونا۔ چونکہ اس دن سارے مُردے اپنی قبروں سے کھڑے ہو کر محشر میں جائیں گے یا دنیا میں کوئی کھڑا ہوتا ہے۔ کوئی بیٹھا کوئی لیٹا۔ مگر اس دن سب انتظار حساب میں کھڑے ہی ہوں گے۔ لہذا اس کا نام قیامت ہے۔ دنیا میں سب آدمی ایک دم نہیں آئے کچھ آکر چلے گئے کچھ آنے والے ہیں کچھ ابھی موجود ہیں۔ مگر اس دن سارا عالم ایک ہی جگہ ایک ہی وقت میں جمع ہو گا۔ لہذا اس کا نام محشر ہے۔ یعنی جمع ہوتے کا دن یا جمع ہونے کی جگہ
س ۔ سارے آدمی صرف شام کی زمین میں کیسے سما جائیں گے ؟
ج ۔ بڑی آسانی سے کتابوں کے مضامین۔ قرآن شریف اور اشعار صد ہا من کاغذ پر لکھے جاتے ہیں۔ مگر آپ کے دو انگل کے حافظہ میں یہ ایک وقت لکھ جاتے ہیں۔ سارے آسمان چاند سورج مشرق و مغرب آپ کی آنکھ کی تل میں سما جاتا ہے۔ جو اس پر قادر ہے۔ وہ اُس پر بھی قادر ہے
س ۔ قیامت کیوں ہو گی۔ اس سے کیا فائدہ ہے ؟
ج ۔ کھیت میں بھوسہ غلہ ایک ہی جگہ ہوتا ہے۔ اس کو ایک گھا کر دانہ کو علیحدہ اور بھوسہ کو علیحدہ کر کے انہیں الگ الگ جگہ پہنچاتے ہیں۔ ایسے دنیا میں مومن و کافر ایک ہی زمین پر آباد ہیں۔ قیامت میں ان کی چھانٹ ہو گی۔ چھانٹ کے بعد مومن جنت میں کافر دوزخ میں پہنچیں گے قیامت چھانٹ کا دن ہے۔ یا ملزم کو پہلے حوالات میں رکھتے ہیں پھر حاکم کے آگے پیش کر کے فیصلہ حاصل کر کے جیل پہنچاتے ہیں۔ قیامت مقدمات کی پیشی کا دن ہے۔
س ۔ روز قیامت میں اختلاف کیوں ہے۔ بعض آیات میں ہے کہ وہ دن ایک ہزار سال کا ہے بعض میں ہے پچاس ہزار سال کا۔ بعض روایت میں ہے کہ چار رکعت نماز ادا کرنے کی برابر ان کا مطلب کیا ہے ؟
ج ۔ یہ فرق یا تو احساس کا ہے کہ وہ دن آرام والوں کو چار رکعت کی بقدر محسوس ہو گا اور تکلیف

والوں کو ہزار سال کا زیادہ تکلیف والوں کو پچاس ہزار سال کا یا ایسا ہے. جیسے کہا جاتا ہے کہ شادی دس منٹ میں ہوتی ہے۔ ایک ماہ میں ہوتی ہے. بیس سال میں ہوتی ہے. اصل نکاح دس منٹ میں. دعوت وغیرہ کا انتظام ایک ماہ میں. روپیہ جمع کرنا بیس سال میں. اسی طرح اس دن اصل حساب نصف دن میں باقی تلاش شفیع اور انتظار حساب وغیرہ میں ایک ہزار سال خرچ ہوں گے. پہلے نفخہ سے جنت و دوزخ کے داخلہ تک پچاس ہزار سال کا وقت جس میں بے ہوشی اور میدان محشر میں پہنچنا. پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی مقام محمود پر یہ تمام اوقات شامل ہیں۔

س۔ نیکیوں میں وزن ہے یا نہیں. اگر ہے تو گناہوں سے زیادہ ہے یا کم۔

ج۔ نیکی کا وزن گناہوں سے لاکھوں گنا زیادہ ہے۔ میزان میں ایک کلمہ طیبہ تمام عمر کے گناہوں سے زیادہ وزنی ہوگا. مگر یاد رہے کہ نیکی کا وزن بقدر اخلاص ہے. نیکی پوست ہے اخلاص اس کا مغز پھل میں مغز کا وزن ہوتا ہے. بے مغز کا پھل ہلکا ہے اسی لیے کفار کی نیکیاں نہایت ہلکی ہیں. مومن کی وزنی امام حسین کا کربلا والا سجدہ ہماری کروڑوں نمازوں سے زیادہ وزنی ہے۔

س۔ اگر نیکی میں اتنا وزن ہے. تو مومن کے سر پر قیامت میں بڑا بوجھ ہوگا. حالانکہ قرآن فرماتا ہے. وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وہ اپنے بوجھ اٹھائے ہوں گے. بوجھ اٹھانا تو عذاب ہے. کیا وہاں مومن عذاب میں ہوگا۔

ج۔ قیامت میں مومن کے تین حال ہوں گے. قبر سے محشر تک جاتے ہوئے نیکیاں مومن پر ہوں گی مگر اس پر نہایت ہلکی جو محسوس بھی نہ ہوں گی. میزان میں پہنچ کر نہایت وزنی اور میزان سے جنت تک نیکیاں سواری ہوں گی. مومن سوار انہی سواریوں پر پل صراط طے ہوگی. جیسی نیکی ویسی اس کی رفتار لہٰذا حمل اثقال یعنی بوجھ اٹھانا کفار کا عذاب ہے. حدیث پاک میں ہے دو کلمے زبان پر ہلکے میزان میں بھارے رب کو پیارے ہیں. یہ اسی طرف اشارہ ہے۔

س۔ عقل میں نہیں آتا کہ مومن کی نیکی اس کے کندھے پر تو ہلکی ہو. میزان میں پہنچ کر بھاری اور صراط پر سواری بن جاوے۔

ج ۔ اس کی مثالیں دُنیا میں موجود ہیں. لکڑی پانی پر ہلکی ہے۔ اس لیے ڈوبتی نہیں۔ مگر ترازو میں بھاری۔ خود پانی گھڑے میں بھر کر سر پہ رکھو تو بھاری ہے۔ مگر حوض یا تالاب کی تہ میں بیٹھ جاؤ اگرچہ اب بہت پانی سر پر ہے مگر ہلکا سائنس کہتی ہے کہ ہوا بہت وزنی ہے۔ ہم لاکھوں من ہوا کا بوجھ سر پر لیے پھرتے ہیں مگر محسوس نہیں ہوتا۔ جس سونے کے زیور میں موتی جڑے ہوں اُسے پانی کی سطح پر رکھ کر تولو تو صرف سونے کا وزن آوے گا موتی کا نہ آوے گا۔ ایسے ہی بھوک سے کم کھانا کھاؤ تو تم کھانے پر سوار ہو اگر زیادہ کھا جاؤ تو کھانا تم پر سوار ایسے ہی وہاں نیکیوں کا حال ہے۔

س ۔ قیامت میں حساب کیوں ہوگا۔ کیا رب کو اعمال کی تعداد معلوم نہیں۔

ج ۔ یہ حساب رب کے علم کے لیے نہیں. بلکہ انسانوں کا منہ بند کرنے کے لیے ہوگا: تاکہ جہنمی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے دوزخ کیوں دی۔ فلاں کو جنت کیوں ملی یا مجھے دوزخ میں سخت جگہ کیوں ملی دوسرے کو ہلکی کیوں دی گئی۔

س ۔ قیامت کے دن لوگ شفیع المذنبین کو کیوں بھول جائیں گے یہاں سب جانتے ہیں کہ حضور شفیع المذنبین ہیں۔ پھر وہاں پہلے دیگر انبیاء کرام کے پاس کیوں جائیں گے۔

ج ۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ آج سوا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی دستگیری کرنے والا نہیں۔ اگر پہلے ہی حضور کے پاس پہنچ جاتے تو شاید کوئی کہہ دیتا کہ شفاعت تو اور جگہ بھی ہو جاتی۔ ہم اور جگہ گئے نہیں۔

س ۔ قیامت میں بعض کے منہ کالے بعض کے سفید کیوں ہوں گے ؟

ج ۔ دلوں کی تاریکی یا نور چہرے پر ظاہر ہوگا۔ جیسے آج پریشان حال دُبلا اور کالا ہو جاتا ہے مال دار خوش عیش آدمی سُرخ سفید نکل آتا ہے۔

جنّت ۔ دوزخ

س ۔ جنّت کو جنّت کیوں کہتے ہیں ؟

ج ۔ اس لیے کہ جنّت جنّ سے بنا بمعنی چھپنا اسی لیے دیوانگی کو جنون پیٹ کے بچّہ کو جنین ڈھال کو جنّۃ ۔ آتشی مخلوق کو جنات تاریکی کو جن کہتے ہیں ۔ جنّت کے معنی ہوئے چھپا ہوا باغ ۔ چونکہ وہ باغ دُنیا والوں کی نگاہ سے چھپا ہے ۔ یا اس باغ کے درخت ایسے گھنے ہیں کہ وہاں کی زمین نظر نہیں آتی ۔ لہٰذا وہ جنت ہے ۔

س ۔ دوزخ کو جہنم کیوں کہتے ہیں ؟

ج ۔ یہ لفظ عجمی ہے ۔ اصل میں چاہ نم تھا ۔ یعنی گہرا کنواں چونکہ وہ نہایت گہرا مقام ہے ۔ اور گویا آگ کا کنواں ہے ۔ لہٰذا جہنم نام ہے ۔

س ۔ یہ جنّت و دوزخ پیدا ہو چکے ہیں یا بعد قیامت پیدا ہوں گے ۔

ج ۔ پیدا ہو چکے ہیں ۔ وہاں ہی پہلے آدم علیہ السّلام رہے ۔ وہاں ہی آج ادریس علیہ السلام اور شہدا کی روحیں رہتی ہیں ۔ وہاں کی ہی کھڑکی مومن کی قبر میں کھلتی ہے ۔ وہاں کی ہی سیر حضور نے معراج میں فرمائی ۔ وہاں کا ہی پانی حضور نے صحابہ کرام کو پلایا ۔ وہاں کے پانی سے ہی نیل و فرات جاری ہیں ۔ جہنم سے دنیا میں آگ آئی ۔

س ۔ اتنے پہلے انہیں کیوں پیدا فرمایا ۔ ان میں داخلہ تو قیامت کے بعد ہو گا تب ہی پیدا فرما دیا جاتا ۔

ج ۔ حکومت کے دفاتر کوٹھیاں جیل خانہ ۔ پھانسی گھر پہلے ہی تیار کر لیے جاتے ہیں ۔ اس کا انتظار نہیں ہوتا کہ کوئی چور پکڑ کر آوے تو جیل بنائی جائے ۔ جنت و دوزخ سے آج بھی کام لیا جا رہا ہے ۔ جنت کے کام اوپر بتا دیئے گئے ۔ دوزخ کی آگ دُنیا میں کام کر رہی ہے ۔ دوزخ ہی سے موسم بنتے ہیں کہ اُوپر کی سانس سے سردی باہر کی سانس سے گرمی وغیرہ ۔

س ۔ سردی گرمی تو سورج سے آئی ۔ اس کا خزانہ جہنم ہے ۔ وہاں سے کرنٹ سورج میں آ رہا ہے سمندر

یں کہاں سے. سمندر پانی کا خزانہ ہے۔ خزانہ میں روپیہ رہتا ہے بنتا نہیں ہے ٹکسال میں ایسے ہی سورج نور اور گرمی گویا خزانہ ہے۔ مگر اس کا کارخانہ دوزخ وغیرہ ہے۔ جب جنت و دوزخ اتنے عرصے سے پیدا ہو چکے۔ تو اب تک وہاں کی ہر چیز پرانی ہو گئی ہو گی۔ حوریں بڑھیا ہو چکی ہوں گی۔

ایسی جنّت کا کیا کرے کوئی جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہیں

ج ۔ زمانی چیز پرانی ہوتی ہے۔ جو زمانہ سے وراء ہو وہ کبھی پرانی نہیں ہوتی۔ آپ کا جسم پرانا ہو کر بڈھا ہو جاتا ہے۔ مگر روح کبھی بڈھی نہیں ہوتی۔ چاند تارے سورج لاکھوں برس کے ہیں مگر نہ پرانے ہوئے نہ ان کے نوریں کوئی کمی آئی ایسے ہی جنّت زمانہ سے وراء ہے لہذا ہر وقت یکساں ہے۔

س ۔ وہاں کی نہریں اور نہروں کی چیزیں دودھ، پانی، شہد وغیرہ خراب ہو چکا ہوگا۔

ج ۔ بگڑنا اور خراب ہونا ان چیزوں میں ہوتا ہے جو مخلوق کی حفاظت میں دے دی جاویں کیونکہ جب محافظ انسان خود فانی ہے تو اس کی حفاظت اور محفوظ چیز دونوں فانی۔ جس کا محافظ رب ہو۔ اس کا بگڑنا سڑنا کیا۔ سمندر خواہ میٹھا ہو یا کھاری اس کا پانی لاکھوں برس کا ہے نہ بگڑا نہ خراب ہوا۔ قرآن رب کی حفاظت میں ہے۔ لہذا نہ بگڑا نہ خراب ہوا۔

س ۔ جنّت میں حوریں کیوں رکھی گئیں۔ بیویاں اولاد کے لیے ہوتی ہیں۔ جب وہاں اولاد نہیں تو حوروں کی بھی ضرورت نہیں۔

ج ۔ بیوی صرف اولاد کے لیے نہیں بلکہ مرد کی خدمت اور دل بستگی، گھر کی آبادی رونق اس کا اصل مقصود ہے۔ بہت لوگ اولاد سے گھبراتے ہیں مگر بیوی رکھتے ہیں۔ بڑھاپے میں جب اولاد سے ناامیدی ہو جاوے تب بھی بیوی رکھی جاتی ہے۔ حوریں خدمت اور رونق کے لیے ہوں گی۔

س ۔ جنت میں اولاد سلطنت فوج روپیہ پیسہ کچھ بھی نہیں۔ لہذا وہاں کی نعمتیں ناقص ہیں۔

ج ۔ یہ چیزیں دنیا میں نعمتیں ہیں۔ جنّت میں مصیبت۔ اولاد دنیا میں اس لیے نعمت ہے کہ موت سامنے ہے۔ سلطنت فوج اس لیے نعمت ہے کہ دشمن کا خطرہ ہے۔ روپیہ پیسہ اس

لیے نعمت ہے۔ کہ ہمارے پاس ضروریات زندگی موجود نہیں۔ پیسہ سے خریدی جائیں گی چونکہ وہاں موت نہیں، لہذا اولاد نہیں فساد نہیں لہذا سلطنت اور فوج نہیں۔ ناداری نہیں لہذا پیسہ روپیہ نہیں۔

س۔ جنت کے طبقے سات اور دوزخ کے طبقے آٹھ کیوں ہیں؟

ج۔ اس لیے کہ جنتی بھی مختلف درجات کے ہیں اور دوزخی بھی۔ جنتی لوگوں میں پیغمبر اور عام مومنین یکساں نہیں ہو سکتے۔ ایسے ہی دوزخیوں میں ابوجہل اور دیگر عام کفار یکساں نہیں جیل میں بعض اے کلاس کے قیدی ہیں۔ بعض بی کے۔ بعض سی کے۔ لہذا وہاں تینوں درجے تیار کیے گئے۔

س۔ جب دوزخ میں آگ کا عذاب ہے تو اس کے بعض طبقے ٹھنڈے کیوں ہیں اور ان میں ٹھنڈک کہاں سے آئی؟

ج۔ دوزخ کی گرمی بھی آگ سے ہے اور سردی بھی آگ سے۔ قرب سے تو گرمی ہے اور دوری سے سردی۔ جیسے دنیا میں سورج کے قرب سے گرمی کا موسم بنتا ہے اور اس کی دوری سے سردی کا موسم ایسے ہی خطِ استوا کی اور دیگر ممالک کی نزدیکی اور دوری سے ہے

س۔ جنت و دوزخ میں انسان کے سوا دوسری مخلوق بھی جاوے گی یا نہیں۔

ج۔ جنت صرف نیک انسانوں کے لیے ہے اور دوزخ انسانوں اور جنات کے لیے۔ ہاں دوزخ میں کفار کے باطل معبود، پتھر، درخت سورج بھی جائیں گے۔ مگر عذاب پاتے کے لیے نہیں بلکہ کافروں کو عذاب دینے اور اپنی بے بسی ظاہر کرنے کے لیے۔

س۔ دوزخ میں فرشتے ہوں گے یا نہیں، اگر ہوں گے تو انہوں نے کیا گناہ کیا ہے؟

ج۔ ہوں گے مگر عذاب پاتے کے لیے نہیں۔ بلکہ دوزخیوں کو عذاب دیتے کے لیے۔ جیسے جیل میں پولیس کے سپاہی یا جیلر اور داروغہ جیل رہتے ہیں۔

س۔ شیطان بھی اگر دوزخ میں گیا تو اسے عذاب کیا ہوگا۔ وہ جن ہے آگ کی پیدائش ہے آگ کو آگ سے کیا تکلیف؟

ج۔ آگ کو آگ سے تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ جیسے اگر کوئی آپ کے سر میں مٹی کا ڈھیلا یا اینٹ

مارے تو آپ کو زخم پہنچ جاتا ہے۔ حالانکہ وہ بھی مٹی ہے اور آپ بھی مٹی کے ہیں۔

س۔ فرشتوں کو جنت کیوں نہیں ملتی۔ وہ بھی تو بڑے عابد ہیں۔

ج۔ ان کے پاس نفس نہیں۔ لہٰذا انہیں عبادت میں کچھ تکلیف نہیں ان کے لیے عبادت ایسی ہے جیسے ہمارے لیے سانس لینا۔ ثواب عبادت کا ہوتا ہے نہ کہ عادت کا۔ جزا کے لیے جنت میں پہنچانے والی چیز نفس امّارہ ہے۔ جب اس کے منہ میں شریعت کی لگام ہو۔

س۔ جنات کے پاس تو نفس ہے۔ پھر ان کے لیے جنت کیوں نہیں کہ ان میں سے جو پرہیزگار ہوں وہ جنت میں جاویں۔

ج۔ ان کے پاس عقل نہیں۔ عقل و نفس دونوں کے ساتھ جو عبادت ہو وہ جنت میں پہنچادے گی گندے کھاد اور پاک پانی سے مل کر کھیت میں پیداوار ہوتی ہے۔ کنویں میں گندم پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہاں گندا کھاد یا خشک زمین نہیں ہے۔ فقط زمین میں بغیر بارش کھیت نہیں اُگتا کیونکہ وہاں پانی کی تری نہیں۔

س۔ آخر نیک جنات کا انجام کیا ہوگا؟

ج۔ جو جانوروں کا انجام ہے کہ انہیں مٹی کر دیا جائے گا حکم ہوگا کُوْنُوْا تُرَابًا۔ عذاب سے بچ جانا۔ نہ ہی ان کا ثواب ہے۔

س۔ جب جنت والوں کے لیے ہمیشگی ہے۔ تو آدم علیہ السلام وہاں سے کیوں آگئے۔

ج۔ جب مومن جزا پانے کے لیے وہاں پہنچے گا تب اس کے لیے ہمیشگی ہوگی۔ آدم علیہ السلام کا قیام وہاں ٹریننگ دینے کے لیے تھا۔ تاکہ وہاں کی بناوٹ دیکھ کر زمین کو ایسے ہی آباد کریں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا وہاں معراج میں تشریف لے جانا سیر یا معائنہ کے لیے تھا لہٰذا وہاں سے واپسی ہوگئی۔

س۔ سزا و جزا دُنیا ہی میں کیوں نہ دی گئی۔ اتنا دراز اُدھار کیوں رکھا گیا؟

ج۔ اس لیے کہ دنیا میں نہ کوئی راحت خالص ہے نہ تکلیف۔ یہاں کی تکلیف راحت سے اور راحت تکلیف سے مخلوط ہے۔ اگر کوئی ظاہری تکلیف نہ ہو تو فنا ہونا کافی مصیبت ہے۔ خالص نیکیوں کو خالص راحت خالص بدوں کو خالص تکلیف چاہیے۔ وہ آخرت میں ہی

ہو سکتی ہے۔ نیز اگر سزا جزا دنیا میں ہی ہوتی۔ تو کوئی کافر نہ رہتا۔ ان چیزوں کو پردہ غیب میں رکھا تاکہ اللہ رسول کا اعتبار کر کے نیک بنے برائیوں سے بچے۔

س۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنتی لوگ خوبصورت ۳۰ سالہ جوان ہوں گے اور جہنمی کافر اتنے موٹے ہوں گے کہ ایک داڑھ پہاڑ کے برابر ہوگی۔ یہ جسموں کی تبدیلی تو تناسخ یا آواگون ہے۔ اسلام تو مانتا ہے کہ بعض قومیں مسخ ہوئیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بن جاتا تھا۔ یہ ہی آواگون ہے؟

ج۔ تبدیلی روح کا نام آواگون ہے۔ یہ ہی منع ہے اور اس کا ماننا کفر ہے۔ یعنی یہ کہ انسانی روح نفس ناطقہ۔ گدھے کی روح یعنی نفس ناطقہ بن جاوے۔ یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ روح بسیط ہے وہی جسم کی تبدیلی وہ دن رات ہوتی رہتی ہے۔ انسان گل کر مٹی بن جاتا ہے۔ پانی اور ہوا آگ بن جاتی ہے ان تمام صورتوں میں صرف جسم کی تبدیلی ہوگی۔ روح وہی انسانی رہے گی جسم میں مادہ اور صورت ہے۔ تبدیلی کے موقعہ پر مادہ باقی رہتا ہے صورت بدل جاتی ہے۔ جیسے ایک انسان پہلے بچہ تھا کالا تھا۔ اب جوان گورا ہو گیا۔ جہنمی کفار کسی شکل میں ہوں مگر سمجھیں گے عقل رکھیں گے بولیں گے کہ فلاں جرم کے عوض ہمیں یہ سزا ملی۔

س۔ جنت میں عورتیں اجنبی مردوں سے پرہیز کریں گی یا نہیں؟

ج۔ وہاں کوئی چیز واجب یا حرام نہ ہوگی۔ یہ احکام دنیاوی زندگی کے لیے ہیں اگر وہاں پردہ فرض ہو تو وہ جگہ عمل کی ہوگئی۔ حالانکہ وہ جگہ صرف جزا کی ہے۔

س۔ تب تو بڑا فساد ہوگا۔ عورت و مرد کا ملنا خطرہ کا باعث ہوتا ہے۔

ج۔ وہاں نفس امارہ فنا ہو جائے گا۔ یہ ہی فساد کراتا ہے انسان کا دل وہی چاہے گا۔ جو رب کو پسند ہو۔ دنیا کی پابندیاں نفس امارہ کی وجہ سے ہیں۔ جب وہ ہی نہ رہا تو پابندی کیسی۔ پرندے کو اسی وقت تک قفس میں رکھتے ہیں۔ جب تک اس کے پر ہیں۔ جب پر ہی کاٹ دیئے گئے۔ تو اب اسے قفس میں رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔

معجزات

س۔ اسلام مانتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے۔ یہ قانون الٰہی کے خلاف ہے۔ قانون قدرت یہ ہے کہ بچہ ماں باپ دونوں کے نطفوں سے ہے۔ اس کے بغیر بچہ بننا ناممکن ہے۔

ج۔ معجزہ یا ارحاص کہتے ہی اسے ہیں۔ جو قانون کے خلاف ہو تب ہی تو مخلوق اس کے مقابلہ سے عاجز ہوگی۔ بلکہ بزرگوں کے ہاتھوں پر خلاف قانون کچھ باتیں ظاہر ہونا بھی ایک قدرتی قانون ہے۔ بغیر باپ بچہ ہونا غیر ممکن نہیں۔ پہلے انسان حضرت آدم و حوا تو بغیر ماں باپ بنے۔ آپ کے سر کی پہلی جوں چارپائی کا پہلا کھٹمل برسات کے پہلے کیڑے بغیر ماں باپ کے دن رات بنتے ہیں۔ عیسےٰ علیہ السلام بغیر باپ بن گئے تو کیوں انکار ہے۔

س۔ قرآن کہتا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کی پیدائش حضرت جبریل علیہ السلام کی سانس سے یا پھونک سے ہوئی۔ سانس ہوا سے خاکی انسان کیسے بن سکتا ہے۔

ج۔ عام انسان نطفہ سے بنے اور نطفہ پانی ہے۔ جیسے خاکی انسان پانی سے بن سکتا ہے۔ حالانکہ پانی انسان سے بہت دُور ہے کہ پانی نہ انسان ہے نہ حیوان نہ جسم نامی ایسے ہی بعض انسان ہوا سے بھی بن سکتے ہیں۔ عیسےٰ علیہ السلام اس لیے خاکی انسان ہوئے۔ کہ حضرت مریم انسان ہیں۔ خاک سے ان کی سرشت ہے۔ لہٰذا آپ ماں کی طرف سے بشر ہیں اور دوسری طرف سے روح اسی لیے آپ کو انسان کے ساتھ روح اللہ کا خطاب ملا۔

س۔ عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ کیسے ہیں۔ وہاں کیا کھاتے پیتے ہیں۔ پیشاب پائخانہ کہاں کرنے جاتے ہیں؟

ج۔ جیسے آسمان پر فرشتے زندہ ہیں اور اپنے زندہ رہنے میں مادی خوراک وغیرہ کے حاجتمند نہیں۔ ایسے ہی عیسےٰ علیہ السلام اللہ کے ذکر سے زندہ ہیں۔ اور جب مادی غذا کے حاجتمند نہیں تو انہیں انسانی حاجات بھی نہیں۔ آپ اپنی ماں کے پیٹ میں کئی ماہ زندہ رہے بتاؤ وہاں باورچی خانے اور پاخانے کہاں تھے جو رب ۵ ماہ بچہ کو ماں کے پیٹ میں بغیر غذا زندہ

رکھ سکتا ہے۔ وہ انہیں وہاں زندہ رکھ رہا ہے۔

س۔ انسان ماں کے پیٹ میں حیض کا خون بذریعہ ناف کے چوستا رہتا ہے۔ وہ بھی وہاں غذا استعمال کرتا ہے۔

ج۔ جانوروں کو حیض نہیں آتا۔ ان کے بچے ماں کے پیٹ میں کیا چوستے ہیں مرغ کا بچہ انڈے میں کئی دن زندہ رہتا ہے۔ وہاں ہوا غذا کہاں سے پہنچتی ہے بعض اولیاء اللہ نے برسوں پانی نہیں پیا اور زندہ رہے۔ جب روحانیت جسمانیت پر غلبہ کر جائے۔ تو غذا کی چنداں ضرورت نہیں رہتی

س۔ عیسیٰ علیہ السلام پھونک سے مُردہ کیسے زندہ کرتے تھے؟

ج۔ جیسے خود جبرائیل علیہ السلام کی پھونک سے زندہ ہو گئے ویسے ہی اپنی پھونک سے مُردوں کو زندہ فرماتے تھے۔

س۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ کیسے بنتی تھی۔ یہ بھی خلاف عقل ہے۔

ج۔ جو عقل کے موافق ہو وہ معجزہ نہیں معجزہ کہتے بھی اسے ہیں جو عقل کو حیران کر دے۔ ہاں ناممکن چیز معجزہ نہیں بن سکتی۔ لاٹھی کا سانپ بن جانا غیر ممکن نہیں بعض دفعہ عورت کے سر کے بال سانپ بن جاتے ہیں۔ خراب غذا پیٹ میں سانپ بن کر نکلتی ہے جسے گینڈوا کہتے ہیں بعض عورتوں کے سانپ پیدا ہوتے ہیں جن کے مسائل فقہ کی کتب میں ہیں۔

س۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی کلام کیسے کیا یہ بھی عقل میں نہیں آتا؟

ج۔ پیدا ہوتے ہی بولنا بھی ناممکن نہیں۔ انسان کے سوا دیگر مخلوق کے بچے پیدا ہوتے ہی بولتے ہیں بلکہ روزی تلاش کرتے ہیں۔ بہت سے انسان پیدا ہوتے ہی بولے آدم علیہ السلام یوسف علیہ السلام کا شاہد جریج کی گواہی دینے والا بچہ ان سب نے بچپن ہی میں کلام کیا۔ اس زمانہ میں بعض بچے پیدا ہو کر بولے ہیں۔ جو بعض دفعہ اخباروں میں شائع ہوا۔ غرضیکہ یہ معجزہ بھی خلاف عادت تو ہے خلاف امکان نہیں۔

س۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا ان کے بعد دنیا میں رہا یا نہیں؟

ج۔ رہا چنانچہ طالوت کے زمانہ میں جو تابوت سکینہ اترا۔ اس میں جو تبرکات تھے۔ ان میں یہ بھی تھا رب فرماتا ہے۔ فِيهِ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ پارہ ۲۔

س ۔ ان کے بعد اس عصا میں تاثیر تھی یا نہیں ؟
ج ۔ نہیں ۔ نہ موسیٰ علیہ السّلام سے پہلے یہ تاثیر تھی نہ ان کے بعد عصا کے لیے دست موسیٰؑ اور دست موسیٰ کے لیے اس عصا کی ضرورت ہے۔ جب یہ دونوں جمع ہوں تب یہ تاثیر ہو۔ آپ کے ہاتھ شریف میں دوسری لاٹھیاں سانپ نہ بنتی تھیں نہ یہ لاٹھی دوسرے کے ہاتھ میں سانپ بن سکی۔ بجلی کی روشنی جب ہی ہوتی ہے۔ جب پاور اور قمقمہ دونوں ہوں۔ اگر قمقمہ لالٹین میں لگا دو یا بجلی کا کنکشن لالٹین کی بتی سے کر دو تو کبھی روشنی نہ ہو گی ۔
س ۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی پتھر سے پیدا ہوئی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟
ج ۔ مٹی سے دن رات جانور پیدا ہوتے ہیں۔ پتھروں سے درخت سبز پانی کے چشمے نکلتے رہتے ہیں اگر پیغمبر کے معجزے سے ایک جانور نکل آئے تو کیا مشکل ہے۔ بعض پھلوں میں قدرتی کیڑے ہوتے ہیں۔ جیسے گولر ایسے ہی وہ پیدا اونٹنی ہوئی۔
س ۔ قرآن نے اسے ناقۃ اللہ کہا کیا رب تعالیٰ اس پر سوار ہوتا تھا ؟
ج ۔ اسے ناقۃ اللہ یعنی اللہ کی اونٹنی دو وجہ سے کہا گیا یا اس لیے کہ وہ کسی کی ملک نہ تھی۔ جیسے مسجد کو اللہ کا گھر کہہ دیتے ہیں۔ یعنی اللہ کی چیز مخلوق کا اس پر دعویٰ نہیں۔ یا اس لیے کہ اسے رَب نے براہ راست بلا واسطہ اسباب پیدا فرمایا جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ بمعنی اللہ کی بھیجی ہوئی روح کہا جاتا ہے۔ یا اس لیے کہ اس اونٹنی سے کوئی دنیاوی کام نہ لیا جاتا تھا۔
س ۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے چاند کیسے پھاڑ دیا۔ زمین سے آسمان پر اثر کیونکر ہو گیا۔ یہ خلاف عقل ہے۔ ایسے ہی آفتاب کا واپس ہونا عقل میں نہیں آتا۔
ج ۔ رَب کو یہ بھی کچھ مشکل نہیں آسمان پر سورج ہے۔ لیکن آتشی شیشہ سے اس کی شعاعیں کپڑا جلا دیتی ہیں۔ جب سورج کا نور اتنی دُور سے کپڑا جلا سکتا ہے تو مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کا نور آسمان پر چاند بھی پھاڑ سکتا ہے مسمریزم والا نور نگاہ کے ذریعہ دُور سے شیشہ توڑ دیتا ہے چیزیں کھینچ لیتا ہے۔ اگر مسمریزم والے کی نگاہ دُور سے بھاری چیز کھینچ سکتی ہے تو نگاہ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دُور سے آفتاب کو بھی کھینچ سکتی ہے۔ مقناطیس

کھینچتا ہے آج سائنس کے ذریعے ہزارہا کرشمے دیکھنے میں آرہے ہیں۔ یہ سب مادی طاقتیں ہیں۔ تو نوری طاقت تو کہیں اعلےٰ ہے۔

س۔ حضور علیہ السلام معراج میں کیسے پہنچے۔ راستہ کے سرد و گرم طبقے کیسے طے کئے۔ آسمان میں دروازہ نہیں ہے۔ تو اس میں کیونکر داخل ہوئے۔ اتنا دُور دراز سفر چند سکینڈ میں کیسے طے کیا۔ یہ خلاف عقل ہے۔

س۔ اس سائنس کے زمانہ میں معراج کا انکار حماقت ہے۔ حضور عین نور ہیں۔ ہمارا نورِ نظر عینک کے شیشہ سے بغیر دروازہ پار ہو جاتا ہے۔ آسمانوں کو چیرتا ہوا ساتوں آسمانوں کے تارے دیکھ لیتا ہے۔ نہ آگ کے کرے سے جلتا ہے۔ نہ زمہریر سے ٹھنڈا پڑتا ہے آج ٹیلی گراف اور بجلی ایک سیکنڈ میں ہی ہزارہا میل طے کر لیتا ہے۔ یہ کرشمے آگ کے ہیں۔ تو نور کی طاقت اس سے زیادہ ہے۔ معراج کی رات نورانیت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہے۔

س۔ لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم کے ذرہ ذرہ کی خبر رکھتے ہیں۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ مدینہ میں بیٹھ کر تمام جہان کو دیکھیں۔

ج۔ فرشتوں اور بہیوں کو رب نے عالم کا انتظام سپرد کیا ہے۔ اس لیے انہیں علم اور قوت بخشی ہے۔ تاکہ انتظام درست رکھ سکیں۔ ریلوے میں ایک افسر ہوتا ہے۔ جسے کنٹرولر کہتے ہیں۔ وہ ایک کمرہ میں بیٹھ کر ہر گاڑی کی خبر رکھتا ہے اور ساری گاڑیوں کا کنٹرول کرتا ہے۔ ایک تختہ اس کے سامنے ہوتا ہے۔ جس میں بجلی کے ذریعہ ہر گاڑی کی حرکت اسے معلوم ہوتی رہتی ہے۔ لاہور کا کنٹرولر پشاور سے کراچی تک کی تمام گاڑیوں پر یک وقت ایسی نظر رکھتا ہے کہ سبحان اللہ۔ اگر دنیا کا اعلیٰ کنٹرولر مدینہ پاک کے حجرہ میں تشریف رکھ کر دنیا کے ذرہ ذرہ کی خبر رکھے تو کیا مشکل ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے نہاوند کی فوج کی کمان فرماتے ہیں تو جس سورج کے یہ ذرہ ہیں ان کے علم کا کیا حال ہونا چاہیے۔

س۔ احادیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی مبارک انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہوا یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟

ج۔ تعجب ہے کہ سائل یہ تو مان لیتا ہے کہ پتھر سے پانی کی نہریں اور دریا نکلتے ہیں۔ کنوئیں کی تہ کی مٹی سے پانی اُبلتا ہے حالانکہ پتھر نہایت سخت ہے اور مٹی بالکل خشک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نازک نرم نرم انگلیاں اگر پانی بہائیں تو کیوں انکار ہے۔ معجزہ بالکل حق ہے۔

س۔ اچھا وہ پانی کیونکر نکل آیا کہیں سے آیا یا وہاں ہی بنا؟

ج۔ یہ تو رب ہی جانے۔ سمجھ میں تین صورتیں آتی ہیں یا تو اس وقت اس پیالہ کا کنکشن حوض کوثر سے کر دیا گیا۔ وہاں کا پانی انگلیوں سے اُبلا۔ جیسے واٹر ورکس کا پانی ہمارے گھر میں نل سے نکلتا ہے یا آس پاس کی ہوا انگلیوں مبارکہ سے مس ہو کر پانی بن گئی۔ جیسے ٹھنڈے گلاس یا ہانڈی کی بھپی سے ہوا الگ کر پانی بن جاتی ہے یا رب نے اپنی قدرت سے وہاں ہی پانی پیدا فرمایا جیسے پتھروں اور کنوئیں کے ساتھ کی مٹی کہ ان سے وہاں ہی پانی بن کر پھوٹتا ہے۔

س۔ حضور نے کنکروں، درختوں، جانوروں سے اپنا کلمہ کیسے پڑھوالیا۔ ان میں تو بولنے کی طاقت ہی نہیں؟

ج۔ یہ بھی ناممکن نہیں۔ موجودہ سائنس مانتی ہے۔ کہ درخت بولتے ہیں۔ قرآن بھی شاہد ہے۔ کہ ہر چیز رب کی تسبیح کرتی ہے۔ آج لوہا تانبا بول رہا ہے۔ ریل سیٹی دیتی ہے۔ فوٹو گراف کا ریکارڈ ایک سُوئی لگانے سے صاف گانے گاتا ہے۔ اگر نبوت کے حکم سے یہ چیزیں بول پڑیں تو بھی ہو سکتا ہے۔

س۔ اس کلام کی کیا صورت تھی۔ آیا انہیں بلوایا گیا۔ یا وہ بول رہے تھے۔ لوگوں کو سنوایا گیا۔

ج۔ دونوں صورتیں ہوئی ہیں۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم کھانے کی تسبیح سُنا کرتے تھے۔ وہاں تسبیح پہلے سے ہو رہی تھی۔ ان کے کانوں کو سنا دی گئی۔ ستون حنانہ حضور کے فراق میں رویا اور عرض و معروض کیا۔ قیدی ہرنی نے حضور سے فریاد کی اونٹوں نے حضور سے مالک کی شکایت کی۔ یہاں اس وقت میں یہ کلام اُن سے جاری ہوا۔ یہ دونوں معجزے ہیں۔

س۔ کیا جسم پاک مصطفےٰ علیہ السلام بے سایہ تھا یہ کیونکر ہو سکتا ہے جسم کا سایہ ضروری ہے؟

ج۔ نورانی اور لطیف جسموں کا سایہ اب بھی نہیں ہوتا۔ ہوا کا سایہ نہیں کیونکہ لطیف ہے گیس کی روشن بتی چراغ کی لَو کا سایہ نہیں۔ کیونکہ یہ نورانی ہے زیادہ صاف شیشہ کا سایہ نہیں پڑتا کیونکہ

شفاف ہے. کرۂ ناریہ میں جو آگ ہے. اس کا سایہ نہیں. حالانکہ ان کی نورانیت کا کروڑواں حصّہ بھی نہیں سورج و چاند تاروں کا سایہ نہیں تو مدینہ کے چاند کا سایہ کیوں ہو۔

س۔ تواریخ میں ہے کہ حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر امت کے لیے شفاعت کی. نوزائیدہ بچہ سجدہ کرنا بات کرنا رب کی حمد و ثناء کیا جانتے ؟

ج۔ ہمارے عام بچے ناسمجھ پیدا ہوتے ہیں. حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو آفتاب رسالت ہیں حضور کی اُمّت میں بعض بچے پڑھے ہوئے پیدا ہُوئے ہیں نے خود اجمیر شریف کی ۵ سالہ بچی دیکھی جو مکمل قرآن کی حافظہ تھی۔ اس کا نام آمنہ بی تھا. پھر کاٹھیاواڑ میں اس کی بہن غالباً ۳ سالہ بچی کی زیارت کی. جسے قرآن نہایت اعلیٰ درجہ کا یاد تھا. اس کی دائی کا بیان تھا کہ یہ حافظہ پیدا ہوئی۔ جو سب کو سکھانے آتے ہیں. وہ رب سے سیکھ کر آتے ہیں. چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ظہور نبوت سے پہلے رب کے عابد و ساجد تھے. وہ عبادت و سجدے اپنے الہام سے کیے. اور الہام بعد ولی وحی کے مطابق ہوئے (دیکھو شامی)

س۔ ابراہیم علیہ السلام پر آگ کیسے گلزار بن گئی. آگ تو گلزار کو جلا دیتی ہے۔

ج۔ اللہ کے حکم سے دیکھو پارس سے لوہا چھو کر سونا بن جاتا ہے بعض جڑی بوٹیوں کے عرق سے مس ہو کر تانبا سونا اور قلعی چاندی بن جاتی ہے. ایسے ہی آگ حضرت خلیل سے مس ہو کر پھول بن گئی تھی۔

س۔ موسیٰ علیہ السلام پر ساحروں کا جادو نہ چلا حضور پر جادو کیوں ہو گیا ؟

ج۔ وہاں جادو معجزہ کے مقابلہ میں کیا گیا۔ لہٰذا فیل ہو گیا۔ یہاں مقابلہ نہ تھا. بلکہ چور کی طرح جادو گر نے عمل کیا جس کا اثر بحکم بشریت کچھ ہو گیا جیسے بعض پیغمبر شہید ہوئے تو تلوار کا اثر ان کے اجسام بشری پر ہو گیا۔

مسئلہ تقدیر

س۔ تقدیر کے معنی کیا ہیں۔ اور اسے تقدیر کیوں کہتے ہیں ؟
ج۔ تقدیر قدر سے بنا۔ بمعنی اندازہ اور تقرر تقدیر کے معنی ہیں۔ اندازہ لگانا یا مقرر کرنا۔
س۔ تقدیر کی حقیقت کیا ہے ؟
ج۔ تقدیر رب کے اس علم کا نام ہے۔ جو عالم کے احوال کے متعلق ہے۔ رب کو علم تھا کہ فلاں بندہ اپنی زندگی میں فلاں فلاں کام کرے گا۔ یہ اس کی تقدیر ہوئی۔ اسی علم کو لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا۔ یہ اس کی تقدیر کی تحریر ہوئی پھر بندے نے ویسے ہی اعمال کئے جو نامۂ اعمال میں لکھ لیے گئے۔ یہ تقدیر کا نتیجہ ہوا۔
س۔ جب علم الٰہی میں سب کچھ آچکا اور اس کے خلاف ہونا غیر ممکن ہے۔ تو چاہیے کہ بندہ گنہگار نہ ہو کہ اس نے وہی کیا جو پہلے لکھا جا چکا تھا۔ بندہ مجبور ہے۔
ج۔ جیسے بندہ نیکی کر کے ثواب کا مستحق ہے ایسے ہی بدی کر کے عذاب کا بھی۔ رب کے علم اور تحریر سے بندہ مجبور کیسے ہو گیا۔ مجبور وہ ہے جس سے بے ارادہ کچھ ہو جائے۔ جیسے رعشہ کی حرکت یا بلا قصد گر پڑنا۔ جو کام ارادے سے ہو۔ وہ اختیاری کہلاتا ہے۔ اور بندہ مختار ہے رب کے علم میں یہ تھا کہ بندہ اپنے اختیار و ارادے سے یہ کام کرے گا۔ اسی کی تحریر ہوئی رب نے نہ اس گناہ کا حکم دیا نہ اس سے راضی ہوا۔
س۔ ارادہ الٰہی کے مطابق واقع ہونا واجب ہے اور واجب میں بندے کا اختیار نہیں ہوتا جب کفر ابلیس کا ارادہ رب کا ہو چکا تو کفر ضروری ہو گیا۔ پھر اختیار کہاں ؟
ج۔ کفر کے ساتھ ارادہ کفر بھی واجب ہو گیا۔ یعنی ضروری ہو گیا کہ ابلیس ارادہ کر کے کافر بنے۔ چونکہ کفر ارادے کے ساتھ ہوا لہٰذا کفر اختیاری رہا ہاں ارادہ کفر ضروری ہوا اور سزا کفر کی ہے۔ نہ کہ محض ارادے کی۔
س۔ جب رب نے بندوں کے گناہوں کا ارادہ کیا تو اُن گناہوں سے راضی ہوا۔ ورنہ ارادہ ہی

کیوں کرتا اور جس کام سے رب راضی ہو وہ گناہ نہیں تو گناہ گناہ نہ ہو۔

ج۔ ارادہ حکم اور رضا علیحدہ چیزیں ہیں ارادہ کو رضا اور حکم لازم نہیں رب نے ذبح اسمٰعیل کا حکم دیا مگر ارادہ نہ کیا ابوجہل کو اسلام کا حکم تھا مگر ارادہ نہ تھا ایسے ہی ابوجہل کے اسلام سے رب راضی مگر اس کا ارادہ نہیں فرمایا۔

س۔ قرآن کہتا ہے۔ وَمَا تَشَآءُونَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ تم رب کے بغیر چاہے ہم کچھ چاہ بھی نہیں سکتے۔ پھر ہم مختار کیسے؟

ج۔ بیشک ہم چاہتے ہیں غیر مختار رہے۔ مگر اس فعل میں تو مختار ہوئے مثلاً زید قتل کرے گا۔ رب ارادہ فرما چکا تو یقیناً زید ارادہ سے ضرور قتل کرے گا۔ تو زید ارادہ قتل میں مجبور ہوا مگر فعل قتل میں مختار۔ کیونکہ وہ ارادہ سے ہے اور سزا قتل کی ہے نہ کہ ارادہ قتل کا اگر یہ نہ ہو تو رعشہ کی جنبش اور ہاتھ ہلانے میں فرق نہ ہو اور انسان محض پتھر بن کر رہ جائے

س۔ انسان تو غیر مختار ہی معلوم ہوتا ہے۔ واقعی پتھر اور انسان ارادۂ الٰہی میں برابر ہی ہیں۔

ج۔ تعجب ہے کہ بے عقل کتا تو پتھر میں اور تم میں فرق کرے۔ کہ اگر تم کتے کو پتھر مارو تو وہ تمہیں کاٹتا ہے نہ کہ پتھر کو اور تم عاقل ہو کر فرق نہ کرو اور یہ بھی محض کہنے کی بات ہے ورنہ تم ظالم پر مقدمہ کیوں کرتے ہو سمجھو کہ وہ پتھر کی طرح مجبوراً ستا رہا ہے۔ پتھر پر کوئی مقدمہ نہیں کرتا۔ تم بھی ظالم سے بدلہ نہ لو۔

س۔ رب فرماتا ہے۔ جسے خدا گمراہ کرے۔ اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر کر دی۔ جب رب گمراہ کرے۔ دلوں پر مہر لگائے۔ پھر بندہ بالکل بے قصور ہے۔ اندھا۔ بہرا۔ دیوانہ۔ نہ دیکھے نہ سنے۔ نہ سمجھے میں بالکل بے قصور ہوتا ہے

ج۔ ان آیات میں خَتَمَ اللّٰہُ کے معنٰی تو ظاہر ہیں۔ کہ ان کفار نے کفر کر کے ایمان اور دیگر نیکیوں سے دُور رہ کر اپنے قلب کو ایسا سیاہ کر لیا کہ آئندہ اس کا نیکی کی طرف مائل ہونا مشکل ہو گیا۔ اسی کو مہر یا ختم کہتے ہیں۔ اس ختم میں ان مجرموں کے جرموں کا بڑا دخل ہے۔ جو کوئی خود اپنی آنکھ پھوڑے کان پھاڑ کر بہرہ بن جاوے یا خودکشی کرے۔ تو اس کے اندھے پن یا موت کا خالق تو رب ہی ہے۔ مگر وہ بھی یقیناً مجرم ہے جیسے حلق پر تلوار پھیر لینا اپنی

موت کا سبب ہے۔ ایسے ہی زیادتی گناہ دل کالا ہونے کا سبب۔ دوسری جگہ ارشاد ہے
كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ان کے بداعمال نے
ان کے دلوں کو زنگ آلود بنا دیا۔ یہاں مہر اور رین کا فاعل گناہوں کو قرار دیا۔ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ
میں گمراہی کو رب کی طرف اس لیے نسبت کیا گیا کہ وہ اس کا خالق ہے یا اس کی خبر دے
چکا ہے۔ لہذا گمراہی کا سبب بندہ ہے اور رب خالق۔ مطلب یہ ہوا کہ جس کی گمراہی رب کے
علم میں آ چکی یا جس پر اس کے اعمال کی وجہ سے رب نے گمراہی پیدا کر دی اُسے کوئی ہدایت
نہیں دے سکتا۔

س ۔ بندہ مطلق مختار ہے یا مطلق مجبور اگر مختار ہے تو رب کا ارادہ بیکار اگر مجبور ہے تو معذور ہے۔

ج ۔ نہ مطلقاً مختار ہے نہ مطلقاً مجبور کسب میں مختار اور خلق میں مجبور ہے۔ کسب کہتے ہیں
اسباب جمع کرنے کو خلق کہتے ہیں نیستی کو ہستی بخشنا۔ بکری کے حلق پر چھری چلا دینا موت
کا کسب ہے اور موت دینا یہ خلق پہلے میں بندہ مختار ہے۔ دوسری چیز میں مجبور ہے۔

س ۔ رب نے شیطان کو پیدا ہی کیوں فرمایا جو گناہوں کی جڑ ہے ؟

ج ۔ شیطان دنیا کا معمار ہے اگر یہ نہ ہوتا تو دنیا میں کچھ نہ ہوتا کیونکہ پھر پولیس۔ فوج۔ کچہری حتیٰ کہ
بادشاہ وغیرہ سب بیکار تھے۔ جب کوئی مجرم اور فسادی نہ ہوتا تو ان محکموں کی ضرورت کیا تھی
بلکہ پھر انبیاء کرام کی تشریف آوری اور تبلیغ کی بھی کیا ضرورت تھی۔ دوزخ اور ملائکہ عذاب
بھی بیکار تھے۔ خدا کی صفات بمعنی غفاری۔ ستاری۔ جباری۔ قہاری کا ظہور بھی نہ ہوتا کیونکہ
یہ صفات بندوں کے گناہوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ بلکہ پھر آدم علیہ السلام نہ گندم کھاتے نہ دنیا
پر تشریف لاتے نہ دنیا بستی۔

غور سے معلوم ہوتا ہے کہ گرم سرد پاک ناپاک اچھی بُری چیزوں سے دنیا کا نظام
قائم ہے۔ اگر ان میں سے ایک نہ ہو تو دنیا ختم ہے۔ گندے کھاد پاک پانی سے دانہ بنتا
ہے۔ گرم ٹھنڈی طاقت سے بجلی بنتی ہے۔ بھوک اور سیری سے دنیا قائم ہے۔

س ۔ پھر تو شیطان بڑی اچھی چیز ہے۔ اسے لعنت کیوں کرتے ہیں ؟

ج ۔ نہیں شیطان تو بُرا ہے۔

س۔ جب شیطان مردود نہ ہوا تھا تو زمین پر بسنے والے جنات نے فساد کیوں کیا۔ انہیں کس نے بہکایا اور خود شیطان کو کس نے بہکایا۔

ج۔ اُن کے نفس امارہ نے۔ دیکھو رمضان میں شیطان قید ہوتا ہے۔ مگر گناہ پھر بھی ہوتے ہیں نفس کی وجہ سے نفس شیطان سے زیادہ خطرناک ہے۔ ہم کو گمراہ نفس ہی کرتا ہے۔ شیطان تو نفس کو بری راہ دکھا کر علیحدہ ہو جاتا ہے۔

س۔ انسان فرشتوں سے افضل کیوں ہے فرشتہ نفس و شیطان سے محفوظ اور گناہوں سے معصوم ہیں۔

ج۔ انسان ایسی عبادتیں کر سکتا ہے جو فرشتوں سے نہیں ہو سکتیں۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ صبر شکر فرشتے نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ کھانے پینے سے پاک ہیں۔ پھر ان عبادات میں سے ہر ایک میں صدہا عبادتیں ہیں۔ روزے میں کھانا۔ پینا۔ جماع۔ غیبت۔ جھوٹ وغیرہ چھوڑنا یہ پانچ عبادتیں ہوئیں۔ افطار سحری۔ تراویح اعتکاف وغیرہ یہ بھی پانچ ایسے ہی حج و زکوٰۃ کو سمجھ لو اور جو عبادتیں فرشتے اور انسان میں مشترک ہیں۔ جیسے اللہ کا ذکر اور نماز ان میں انسان اعلیٰ ہے کیونکہ مقرب فرشتوں میں سے کوئی صرف قیام میں ہے۔ کوئی رکوع میں کوئی سجدہ میں ایسے ہی جانوروں کا حال ہے مگر انسان کی نمازیں یہ سب چیزیں موجود ہیں پھر انسان مسجد میں آکر عبادت گھر پہنچ کر دُنیاوی انتظام کرتا ہے۔ لہٰذا یہ مقرب بھی ہے اور مدبرات امر بھی۔ اسی لیے نبوت صرف انسان کو ملی۔ پھر انسان کو عبادت سے روکنے والی لاکھوں چیزیں ہیں۔ فرشتوں کے لیے کچھ نہیں لہٰذا اس کی تھوڑی عبادت بھی زیادہ ہے۔ ان وجوہ سے انسان فرشتہ سے افضل ہے۔

س۔ شریعت میں کوئی دن منحوس ہے یا نہیں ؟

ج۔ نہیں۔ ہاں بعض دن بعض کاموں کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔ اتوار باغ لگانے مکان بنانے کھیت بونے کے لیے زیادہ موزوں ہے کیونکہ اسی دن جنّت کا باغ لگا۔ سوموار تجارتی سفر کے لیے بہتر ہے کہ اسی دن حضرت شعیب علیہ السلام نے تجارت کا پہلا سفر کیا جس میں بہت نفع ہوا۔ سہ شنبہ کو فصد لینا اپریشن یا حجامت کرنا بہتر نہیں۔ یہ دن خون کا ہے

اس دن یہ کام کرنے سے برص کا اندیشہ ہے۔ اسی دن حضرت حوا کو خون آیا۔ ہابیل کا قتل ہوا حضرت زکریا یحییٰ علیہ السلام اور جرجیس اور فرعون کے جادوگر حضرت کیسہ قتل کیے گئے بدھ کا آخری حصہ علم شروع کرنے کے لیے بہتر ہے۔ جمعرات کا دن امراء سلاطین سے ملنے اور مقدمہ دائر کرنے کے لیے بہتر کہ اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے مناظرہ میں فتح پائی۔ جمعہ کا دن نکاح کے لیے بہتر کہ اسی دن حوا کا آدم علیہ السلام سے۔ زلیخا کا یوسف علیہ السلام سے۔ اور بلقیس کا حضرت سلیمان علیہ السلام سے اور بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔ (روح البیان سورہ یونس آیت فی ستۃ الایام)

س۔ جب ہر چیز تقدیر میں آچکی۔ تو دعائیں کیوں مانگی جاتی ہیں۔ جو ہونا ہے وہ خود ہو جائے گا۔

ج۔ دعا مانگنا بھی تقدیر میں آچکا ہے کہ بندہ یہ دعا کرے گا تب یہ نعمت پائے گا۔ اسی لیے بیماری کی دوا۔ رزق کے لیے روزگار بیمار سے پرہیز کروائے جاتے ہیں کہ اگرچہ صحت و رزق سب مقدر سے ہے۔ مگر یہ اسباب بھی تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں۔

س۔ کیا تقدیر میں تبدیلی ہو سکتی ہے اگر ہو سکتی ہے تو اس کے کیا معنی؟ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ۔ اگر نہیں ہو سکتی تو اس حدیث کا کیا مطلب کہ دعا قضا کو بدل دیتی ہے۔ یا داؤد علیہ السلام کی عمر ۶۰ سال تھی لیکن آدم علیہ السلام کی دعا سے سو سال ہو گئی یا صدقہ عمر بڑھاتا ہے۔

ج۔ تقدیر جو علم الہٰی ہے اس میں تبدیلی ناممکن ہے اس کا نام قضاء مبرم ہے اسی کا ذکر اس آیت میں ہے اور تقدیر جو اعلام الہٰی ہے۔ جس کا فرشتوں میں اعلان ہوتا ہے۔ اسے قضاء معلق کہتے ہیں۔ ان میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ ان احادیث میں اسی تقدیر کا ذکر ہے۔ اس کے لیے یہ آیت ہے۔ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ۔

س۔ جب بعض ارواح جنتی بعض دوزخی پیدا ہوئی ہیں۔ تو اعمال کی کیا ضرورت ہے ہر روح اپنے مقام پر پہنچ جائے گی۔

ج۔ روحوں کے جنتی دوزخی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ رب کو یہ علم ہے کہ فلاں روح بخوشی نیکیاں کر کے جنت میں اور فلاں گناہ کر کے دوزخ میں جاوے گی۔ مگر جنتی دوزخی ہونا اعمال سے

ہو گا۔ اور عمل عامل کے ارادے سے عمل بیج کی طرح ہیں کہ کسان نہ تو بیج سے بے پروا ہے اور نہ ہی بیج پر اعتماد کر سکتا ہے۔ اگر وقت پر بارش اور دھوپ پہنچے اور درخت آفات سے محفوظ رہے تو دانہ میسر ہو۔ ایسے ہی۔ نہ اعمال سے ہمیں بے پروائی ہے نہ ان پر پورا اعتماد۔ اعمال ہوں۔ ریا خرابی خاتمہ سے محفوظ رہیں اور قبولیت کی ہوا چلے تب جنت دیکھنا نصیب ہو۔ غرض عمل کرتے رہو ڈرتے رہو۔

س۔ تو چاہیے کہ نیکیوں کے بغیر کوئی جنتی دوزخی نہ ہو سکے۔ کیونکہ بغیر بیج درخت ہو سکتا ہی نہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کے بچے دیوانہ بعض بدعمل مومن جنتی ہوں گے۔ جنت بھرنے کے لیے ایک قوم پیدا کی جائے گی۔ بعض کے نزدیک مشرکین کے بچے دوزخی ہیں۔ حالانکہ انہوں نے کفر نہیں کیا۔

ج۔ عمل بیج کی طرح اس کے لیے ہیں۔ جسے عمل کا موقعہ ملے جو موقعہ نہ پائے۔ اس کا حکم دوسرا ہے۔ بعض درخت تخمی ہوتے ہیں بعض قلمی بعض خود رو۔ مومن تخمی جنتی ہے۔ اس کے فوت شدہ بچے قلمی جنتی۔ اور وہ جنتی قوم جو جنت بھرنے کے لیے پیدا ہو گی۔ خود رو جنتی۔ غرض جنت تین طرح حاصل ہو گی اعمال سے (کسبی) وراثت سے (میراثی) محض فضل رب سے (وہبی)

س۔ کافر اور سرکش انسان شیطان سے بہتر ہے یا بدتر۔

ج۔ بعض وجہ سے بدتر۔ شیطان ناری ہے انسان خاکی انسان کو چاہیے۔ کہ اس میں انکسار و تواضع ہو۔ اس کی سرکشی سرشت کے خلاف ہے۔ شیطان مشرک نہیں وہ مشرک ہے۔ جتنے گناہ وہ انسان کر لیتا ہے۔ اتنے شیطان بھی نہیں کر سکتا۔ رب کی بارگاہ میں شیطان جھوٹ نہ بولا اس نے منافقت کی باتیں نہ کیں عرض کیا۔ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ مگر سرکش انسان رب کی بارگاہ میں بھی جھوٹ اور منافقت سے باز نہیں آتا۔ انبیاء اولیاء کی قوت و عصمت کا وہ بھی قائل ہے۔ اس لیے اس نے کہا تھا۔ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ تیرے خالص بندوں کو نہ بہکا سکوں گا۔ مگر بے دین آدمی انبیاء اولیا کی عظمت و عصمت کا انکار کر جاتا ہے۔ شیطان اپنے کو گمراہ مانتا ہے۔ اس لیے اس نے کہا رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ

مگر کافر کفر کر کے اپنے کو ہدایت پر جانتا ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ شیطان میرے دین کے مسئلہ سے واقف ہے۔

س۔ جب خدا کے علم میں تھا کہ آخر کار شیطان گمراہ ہو جائے گا تو اسے پہلے اتنی عظمت کیوں دی علم و عبادت اور ملائکہ میں رہنا

ج۔ تاکہ قیامت تک علماء عابدین زاہدین کو عبرت ہو کہ مخالفت انبیاء سے علم و عمل سب برباد ہو جاتا ہے۔

س۔ نبیوں ولیوں کو خوف ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو ایمان کیسے حاصل ہوا۔ ایمان تو خوف و امید کے درمیان ہے اگر ہوتا ہے تو اس آیت کے کیا معنی ہیں۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

ج۔ خوف کی تین نوعیتیں ہیں۔ رب پر بے اعتمادی کی وجہ سے کہ نہ معلوم وہ اپنے وعدے پورے کرے یا نہ کرے یہ کفر ہے کسی مومن کو بھی یہ خوف نہیں ہوتا۔ اپنے پر بے اعتمادی کی وجہ سے کہ نہ معلوم مرتے وقت ایمان تقویٰ قائم رہے یا نہ رہے۔ یہ ہم جیسے گنہگاروں کو ہے۔ خاص اولیا اور انبیا اس سے محفوظ ہیں۔ جن کے جنتی ہونے کا وعدہ ہو چکا رب کی ہیبت اور رعب دربار یہ انبیاء اولیاء کو بہت زیادہ ہے جتنا قرب زیادہ اتنی ہی ہیبت زیادہ۔

متفرق مسائل

س۔ عربی سال ذی الحجہ پر ختم اور محرم سے شروع ہوتا ہے۔ ان مہینوں میں کیا مناسبت ہے ہجرت ربیع الاول میں ہوئی تو چاہیے تھا کہ ہجری سنہ ربیع الاول سے شروع ہوا کرے

ج۔ اسلام کی ہر چیز کی بنیاد عبادت اور قربانی پر ہے۔ ہولی دیوالی میں کھیل کود ہے۔ مگر عید بقر عید میں عبادت و قربانی۔ چونکہ ذی الحجہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند

کی قربانی پیش فرمائی۔ اور محرم میں بہت سے پیغمبروں نے قربانیاں پیش کیں اسی محرم میں امام حسینؓ کی بھی قربانی ہونے والی تھی۔ لہذا اسلامی سال قربانی کے مہینہ پر ختم ہوتا ہے۔ اور قربانی کے مہینہ سے شروع تاکہ معلوم ہو کہ مومن کی ابتدا زندگی بھی قربانی پر ہے۔ اور انتہا بھی۔

س۔ فقہا نے اور احادیث نے بہت سے شرعی حیلے سکھائے حالانکہ بنی اسرائیل نے ہفتہ کے دن شکار کا حیلہ کیا۔ سب بندر بنا دیے گئے معلوم ہوا کہ حیلہ کرنا سخت حرام ہے۔

ج۔ جیسے بنی اسرائیل پر یہ عذاب تھا کہ ان پر حلال چیزیں جیسے حلال جانوروں کی چربی حرام کر دی گئی۔ ایسے ہی یہ بھی عذاب تھا کہ انہیں حیلہ کرنا حرام کر دیا گیا۔ نیز حیلہ کی دو صورتیں ہیں خواہش نفسانی کے لیے یہ اب بھی منع ہے اور ضرورت شرعی پوری کرنے کے لیے وہ حلال ہے۔ بنی اسرائیل کا حیلہ پہلی قسم کا تھا۔

س۔ جمعہ کو جمعہ کیوں کہتے ہیں۔ اور ہفتہ کو یوم السبت اتوار کو یوم الاحد کہنے کی کیا وجہ ہے؟

ج۔ دنیا پیدا کرنے کی ابتدا اتوار کے دن ہوئی۔ لہذا اس کا نام یوم الاحد یعنی پہلا دن ہوا۔ بعد کے دنوں کے نام ترتیب وار ہوئے یعنی سوموار کو یوم الاثنین یعنی دوسرا دن اور منگل کو یوم الثلثا یعنی تیسرا دن کہا گیا۔ جمعہ کو جمعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ جمع سے بنا بمعنی جمع ہونا اس دن دنیا کی پیدائش مکمل ہوئی اور تمام چیزیں وجود میں جمع ہوگئیں یا اس لیے کہ اسی دن آدم علیہ السلام کے اجزا عنصریہ جمع ہوئے۔ نیز اُمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن جمع ہو کر نماز جمعہ پڑھتی ہے۔ نیز قیامت اس دن قائم ہو گی۔ جس میں تمام اولین و آخرین جمع ہوں گے۔ لہذا اسے جمعہ کہا گیا۔ ہفتہ کو یوم السبت اس لیے کہتے ہیں کہ سبت کے معنی ہیں خالی۔ چونکہ یہ دن خلق سے خالی رہا۔ جمعہ کو تخلیق مکمل ہو چکی تھی۔ لہذا اس کا نام یوم السبت یعنی خالی دن رکھا گیا۔ ہفتہ میں جمعہ کے دن کام کی ایک دن چھٹی اس لیے ہوتی ہے۔

س۔ تو چاہیے کہ یا تو ہفتہ کو تعطیل ہوا کرے۔ کیونکہ رب نے یہ دن خالی رکھا یا اتوار کو کیونکہ اس دن دنیا کی تخلیق شروع ہوئی وہ خوشی کا دن ہے۔

ج۔ اتوار کا دن عالم کی بنیاد رکھنے کا دن ہے اور جمعہ کا دن آدم علیہ السلام کی پیدائش اور عالم کی تکمیل کا دن ہے۔ لہٰذا خوشی منانے چھٹی کرنے کے لائق یہ ہی دن ہے۔ مکان کی بنیاد رکھنے کی خوشی نہیں منائی جاتی۔ بلکہ مکان مکمل ہونے کی۔ چونکہ دنیا کی تکمیل اور نسل انسانی کی ابتدا جمعہ کے دن ہوئی۔ لہٰذا وہی ہفتہ کا پہلا دن ہوا اور وہ ہی عبادت کے لیے خالی رکھا گیا۔

س۔ رب فرماتا ہے کہ دنیا فقط کن کہہ دینے سے پیدا ہوئی۔ پھر چھ دن میں پیدا ہونے کے کیا معنی

ج۔ چھ دن میں پیدا ہوئی۔ مگر کن فرمانے سے کن فرمانا پیدائش کی نوعیت ہے۔ [illegible] چھ دن پیدائش کا زمانہ آج کے کن سے آسمان بنا کل کن فرمایا تو زمین بنی مادہ صورت [illegible] دن کی ضرورت پیش نہ آئی۔

س۔ جب پہلے سورج ہی نہ تھا تو چھ دن کیسے مقرر ہوئے؟

ج۔ مراد چھ دن کی مقدار ہے۔ یعنی اتنا وقت صرف فرمایا گیا۔ کہ اگر سورج ہوتا تو چھ دن ہوتے

س۔ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی پیروی کی کیا ضرورت ہے کہ ہدایت کے لیے پیغمبر کافی نہیں۔

ج۔ اہل بیت اُمت کی کشتی ہیں۔ اور صحابہ کرام قطب نما ستارے ہیں۔ دونوں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ حضرات اسلام کی صف اول میں ہی ہیں جنہیں امام کی ہر حرکت معلوم ہے ہم لوگ صف اخیر میں۔ ان کے خبر دینے سے ہمیں حضور کے حالات معلوم ہوں گے۔ اگر ان کی نماز یا ایمان غلط ہے تو ہمارا ایمان کیسے صحیح ہو سکتا ہے وہ حضرات اسلام کی ریل کا پہلا ڈبہ ہیں۔ جو انجن سے ملا ہوتا ہے۔ ہم لوگ آخری ڈبہ جس کا انجن سے تعلق پہلے ڈبہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اگر وہ حضرات ہی انجن سے کٹ کر رہ گئے۔ منزل مقصود پر نہ پہنچے تو ہم کیسے پہنچ سکتے ہیں۔ ہمارا حضور سے تعلق تو انہی کے ذریعہ سے ہے ہماری نجات ان ہی کی طفیل ہے۔

س۔ روافض کہتے ہیں کہ خلافت معصومین کو ملنی چاہیے تھی۔ بارہ امام معصوم ہیں۔ لہٰذا وہ ہی خلیفہ ہونے چاہئیں تھے۔ نہ کہ خلفاء ثلاثہ۔ کیونکہ وہ اگر مومن بھی ہوں تب بھی معصوم نہیں۔

ج۔ اگر خلافت معصومین کا حق ہوتی تو اولاد کو نہ ملتی بلکہ فرشتوں کو ملتی۔ یہ ہی تو فرشتوں نے عرض کیا

تھا کہ انسان خون بہائے گا۔ فساد پھیلائے گا۔ یعنی معصوم نہ ہوگا۔ آخر کار خلافت الٰہیہ فرشتوں نے مانی۔ ابلیس نے نہ مانی۔ خلافت مصطفوی بھی مومنین نے مانی شیاطین انس نے نہ مانی دونوں کا حال یکساں ہے۔

س ۔ اللہ کے نام توقیفی ہیں پھر اسے خدا کیوں کہتے ہیں۔ یہ نام بھی کسی آسمانی کتاب سے ثابت نہیں

ج ۔ خدا رب کا نام نہیں بلکہ اس کی صفت یعنی مالک کا ترجمہ ہے خدا کی صفت کا ترجمہ ہر زبان میں کرنا جائز ہے۔ مگر نام کے لیے ضروری ہے کہ وہ عربی یا عبرانی زبان کا ہو۔ کیونکہ زبانی کتابیں اور صحیفے انھی زبانوں میں آئے۔ لہٰذا اسے گاڈ یا رام پربھو پرماتما نہیں کہہ سکتے کہ یہ عجمی نام ہیں اور پروردگار پالن ہار کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ نام نہیں۔ بلکہ عجمی زبان میں اس کے صفات کے ترجمے ہیں۔ اگر یہ الفاظ نام ہوتے۔ تو وظائف۔ نماز۔ اذان اور ذبح کے وقت بولے جاتے۔

س ۔ سب سے بدتر کافر کون ہے ؟

ج ۔ بدترین کافر پیغمبر کی توہین کرنے والا ہے۔ شیطان اسی قسم کا کافر تھا۔ وہ الوہیت حشر ونشر وصفات الٰہیہ کا منکر نہ تھا۔ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کو طین کہتا تھا۔ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ جس کے جواب میں انعام ملا۔

س ۔ انبیاء کرام کی نعلین شریفین کی بھی توہین کفر کیوں ہے ؟

ج ۔ اس لیے کہ ان کی ہر چیز رب کی تجویز سے ہے۔ تو ان کی کسی چیز پر اعتراض رب پر اعتراض ہے جیسے فوج کی وردی پگڑی پر اعتراض بادشاہ پر اعتراض ہے کہ یہ چیزیں اس کی تجویز ہیں۔

س ۔ کسی پیغمبر نے نبوت و تبلیغ پر اجرت نہ لی۔ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا ۔ اور نہ خلفاء راشدین نے خلافت پر علماء تعلیم پر واعظین وعظ پر اجرت لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی تبلیغ ہی کرتے ہیں۔

ج ۔ جس کے انتخاب میں بندوں کی رائے کو دخل نہ ہو۔ بلکہ اس کا تقرر محض حکم الٰہی سے ہو اس کی اجرت محض رب کے کرم سے ہوگی۔ بندوں سے نہ لی جاوے گی اور جہاں تقرر میں

بندوں کو اختیار ہو. وہاں اجرت بھی بندے ہی دیں گے. جیسے کچہری کا جج اور وکیل و مختار منشی جج کی تنخواہ حکومت کے ذمہ ہے کیونکہ اس نے اسے مقرر کیا ہے. مگر وکیل مختار کی اُجرت رعایا کے ذمہ کہ وہ خود انتخاب کرتی ہے اسی طرح نبوت میں بندوں کی رائے کو دخل نہیں لہذا ان کی خدمت کا معاوضہ محض رب پر ہے. وہ خود کہتے ہیں اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ اور خلیفۃ المومنین. عالم. واعظ کو خود بندے انتخاب کرکے اپنے یہاں رکھتے ہیں لہذا ان کی خدمت خود کریں۔

س ۔ قرآن فرماتا ہے کہ اللہ کی آتیں تھوڑی قیمت سے نہ بیچو معلوم ہوا کر زیادہ قیمت سے بیچنا جائز ہے۔

ج ۔ قرآن کے لیے ساری دُنیا بھی تھوڑی قیمت ہے. قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ کیونکہ دُنیا فانی ہے اور قرآن باقی. کہ دُنیا قبر حشر ہر جگہ کام آتا ہے. فانی کتنی بھی زیادہ ہو. باقی کے مقابلہ میں تھوڑی ہے. غرضیکہ آیات قرآنیہ تمام دنیا کے عوض بیچنا بھی تھوڑی قیمت سے بیچنا لہذا حرام ہے۔

س ۔ تو چاہیے کہ وعظ تعویذ. قرآن کی تعلیم پر اُجرت لینا حرام ہو اور قرآن شریف کی تجارت تو ڈبل حرام ہو کیونکہ یہ تو سارے قرآن کا بیچنا ہے۔

ج ۔ یہ قرآنی آیت کا بیچنا نہیں ہے. واعظ معلم وغیرہ اپنے پابندی وقت پابندی جگہ اور محنت کی اُجرت لیتے ہیں. پریس والے کاغذ لکھائی چھپائی کی قیمت وصول کرتے ہیں. قرآن بیچنے کے معنی یہ ہیں کہ پیسہ لے کر قرآنی آیت کا حکم بدل دے. غلط مسئلہ بتائے. جیسا یہود کرتے تھے. یہ حرام ہے۔

س ۔ قرآنی احکام صرف مسلمانوں کے لیے ہیں. یا پیغمبر کے لیے بھی ہیں. اور کفارسے بھی ان میں خطاب ہے یا نہیں مثلاً اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ سے نماز صرف مسلمانوں پر فرض ہوئی. یا حضور علیہ السلام پر بھی. اور ہر نماز فرض ہے یا نہیں ؟

ج ۔ ایسے احکام اُمتی نبی تمام کے لیے ہیں. بلکہ حق یہ ہے کہ عذاب آخرت کے لحاظ سے یہ احکام کفار پر بھی جاری ہیں. یعنی دنیا میں ان پر نماز پڑھنا فرض نہیں. مگر عذاب ترک

نماز پر بھی ہو گا۔ تم نے مسلمان ہو کر نماز کیوں نہ پڑھی۔ لہٰذا تو مسلم زمانہ کفر کی نمازیں قضا نہیں کرتا۔

س۔ تو پھر نبی اور غیر نبی میں فرق کیا ہوا؟

ج۔ بڑا فرق ہے۔ حضور کے لیے شرعی احکام ایسے ہیں۔ جیسے ہمارے لیے کھانے پینے کے حکم۔ کہ اگر ہمیں یہ حکم نہ بھی دیا جاتا جب بھی ہم ضرور کھاتے پیتے۔ لیکن حکم آجانے سے کھانا پینا ثواب بن گیا۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام حکم کے بغیر بھی شرعی احکام ادا کرتے چنانچہ حضور معراج سے پہلے بھی نمازیں پڑھتے تھے۔ پیدا ہوتے ہی سجدہ فرمایا۔ اس وقت سجدہ اور نماز کا حکم کہاں تھا مگر حکم سے ان کا قرب اور زیادہ ہو گیا غرضیکہ یہ احکام کفار کے لیے تو زیادتی عذاب کا باعث ہیں اور مسلمانوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے زیادتی قرب کا موجب۔

س۔ یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ حضور کی مثل ناممکن ہے۔ رب قادر ہے کہ ہزاروں ایسے پیغمبر پیدا فرما دے۔

ج۔ سارا عالم تو خدا کے سوا ہے۔ وہ حضور کے نور سے بنا۔ اب حضور کا مثل کیسے ہو سکتا ہے۔ جو مثل ہو گا وہ بھی حضور ہی کے نور سے بنا ہو گا۔ پھر وہ مثل کہاں رہا جب ایک شخص اپنے باپ کے نطفہ سے پیدا ہو چکا۔ تو اب اس کا دوسرا حقیقی باپ نہیں بن سکتا۔ جب دنیا حضور کے نور سے پیدا ہو چکی۔ تو اب دوسرا مصطفےٰ بھی نہیں ہو سکتا

س۔ اسلام میں عورتوں پر پردہ کیوں رکھا گیا ہے۔ اس سے عورتوں کو تپ ہو جاتی ہے۔

ج۔ بخار روکنے کے لیے زکام اور طاعون روکنے کے لیے چوہوں کی زیادتی روکتے ہیں۔ زنا حرام ہوا لہٰذا اس کے اسباب یعنی عورتوں کی بے حجابی بھی حرام ہوئی۔ دولت موتی چھپا کر رکھو۔ عورت قوم کی بیش قیمت دولت ہوتی ہے اسے چھپاؤ۔ شیشہ پتھر سے علیحدہ رکھو عورت نازک شیشہ ہے۔ اجنبی کی نگاہ پتھر۔ پھول گلشن میں اچھا ہے۔ عورت پھول ہے۔ گھر اس کا گلشن۔ تپ دق پچاس سال سے ہے اور پردہ چودہ سو برس سے۔ اب بھی بے پردہ عورتوں میں دق زیادہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ کہ یہ رسالہ عجالہ ۲۱۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ دو شنبہ کے دن شروع ہو کر ۲۵۔ جمادی الآخر ۱۳۷۸ھ دو شنبہ کے دن بعد نماز ظہر ختم ہوا جو کوئی اس رسالہ سے فائدہ اٹھائے۔ وہ مجھ فقیر بے نوا کے لیے حسن خاتمہ کی دُعا کرے کہ اسی لالچ میں یہ محنت کی ہے۔ رب تعالیٰ اسے قبول فرما کر میرے لیے توشۂ آخرت و صدقہ جاریہ بنائے اور میرے ولی نعمت حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ العزیز کے سایہ میں مجھے اور تمام اہل سنت کو رکھے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ
سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ۔

احمد یار خاں نعیمی عفی عنہٗ

۲۵ جمادی الآخر ۱۳۷۸ھ دو شنبہ

عامر ندیم خوشنویس چھپتی محرم ڈاکخانہ ٹھٹھہ عالیہ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات

اسلامی زندگی
مؤلفہ
حکیم الامت مولانا کامل المفتی احمد یار خاں صاحب بدایونی خطیب جامع چوک پاکستان گجرات
طابع و ناشر
حضرت مولانا اقتدار احمد خان مالک نعیمی کتب خانہ گجرات پاکستان
وسیلہ اولیاء اللہ
مؤلفہ
حکیم الامت مولانا کامل المفتی احمد یار خاں صاحب بدایونی خطیب جامع چوک پاکستان گجرات
طابع و ناشر
حضرت مولانا اقتدار احمد خان مالک نعیمی کتب خانہ گجرات پاکستان
علم المیراث
مصنف
شیخ التفسیر مفتی احمد یار خاں نعیمی
ناشر
مکتبہ اسلامیہ
۴۰- اردو بازار، لاہور
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
مؤلفہ
حکیم الامت مولانا کامل المفتی احمد یار خاں صاحب بدایونی خطیب جامع چوک پاکستان گجرات
طابع و ناشر
حضرت مولانا اقتدار احمد خان مالک نعیمی کتب خانہ گجرات پاکستان

حضورؐ دے نور دے
ثبوت وچ نظماں دا مدلّل شاہکار
حضور صلی اللہ علیہ وسلم
بشر نے کہ نور نے
ناشر
اکبر بُک سیلرز لاہور
شاعرِ اہلسنّت
الحاج حافظ محمد حسینؒ حافظ قادری رضوی